المنار جرمنی

Almanar Deutschland

اپریل تا جون 2022

المنار جرمنی

اپریل تاجون 2022

بمطابق: شہادت۔ ہجرت۔ احسان 1401 ہجری شمسی

زیرِ نگرانی

پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب

سرپرست تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

چوہدری عبدالغفور ڈوگر

مدیر اعلیٰ المنار

چوہدری محمد کولمبس خاں

پتہ

Bait us Sabooh

Genferstrasse 11

60437 Frankfurt / M

E-Mail: columbuskhan@gmail.com

ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب

یہ ہے کہ لا الٰہ الّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق باری تعالیٰ اس عالم گذران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و سلم خاتم النبیّین و خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدائے تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شُعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کے تبدیل یا تغییر کر سکتا ہو اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور مُلحد اور کافر ہے۔

اعتذار

المنار کا یہ شمارہ پلان کے مطابق اپریل کے پہلے ہفتہ میں بھائیوں کی خدمت میں پیش کرنا تھا لیکن جن ایّام میں جمع شدہ مواد ترتیب سے کمپوز کرنا تھا یکایک خاکسار کو آنکھ کی بیماری کا مسئلہ در پیش آگیا۔ کچھ حصّہ جو تیار کیا جا چکا تھا اور کچھ اب تھوڑی بہت کوشش کر کے ایک آنکھ کی مدد سے تیار کر کے پیش کیا جارہا ہے۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ جلد شفا بخشے اور جو کمی رہ گئی اسے اگلے شمارہ میں پورا کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

خاکسار محمد کولمبس خاں۔ ایڈیٹر المنار جرمنی

ارشادِ باری تعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۪ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ وَ لَیُبَدِّلَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا ؕ یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا ؕ وَ مَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۔ وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ (النور:56-57)

اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔ اور ان کے لئے ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ضرور تمکنت عطا کرے گا۔ اور ان کی خوف کی حالت کے بعد ضرور انہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔ اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

حدیثِ نبوی ﷺ

عَنۡ مُحَمَّدِ بۡنِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ: اِنَّ لِمَهۡدِیِّنَا اٰیَتَیۡنِ لَمۡ تَکُوۡنَا مُنۡذُ خَلۡقِ السَّمٰوَاتِ وَالۡاَرۡضِ یَنۡکَسِفُ الۡقَمَرُ لِاَوَّلِ لَیۡلَۃٍ مِنۡ رَمَضَانَ وَتَنۡکَسِفُ الشَّمۡسُ فِی النِّصۡفِ مِنۡہُ وَلَمۡ تَکُوۡنَا مُنۡذُ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ۔

(سنن دار قطنی باب صفة صلوٰة الخسوف والکسوف وھیئتھما)

حضرت محمد بن علیؓ نے فرمایا پیشگوئی کے مطابق ہمارے مہدی کی صداقت کے دو نشان ایسے ہیں کہ جب سے زمین و آسمان پیدا ہوئے وہ کسی کی صداقت کے لیے اس طرح ظاہر نہیں ہوئے اوّل یہ کہ اس کی بعثت کے وقت رمضان میں چاند گرہن کی تاریخوں میں سے پہلی تاریخ (یعنی ۱۳ ر رمضان) کو چاند گرہن لگے گا اور سورج گرہن کی تاریخوں میں سے درمیانی تاریخ (یعنی ۲۸ ر رمضان) کو سورج گرہن لگے گا اور یہ دو نشان اس رنگ میں پہلے کبھی ظاہر نہیں ہوئے۔

ارشاد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

”تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن مَیں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔ جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ مَیں اِس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔ سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔ وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے۔ وہ سب کچھ تمہیں دکھائے گا جس کا اس نے وعدہ فرمایا ہے۔ اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جب تک وہ تمام باتیں پوری نہ ہو جائیں جن کی خدا نے خبر دی۔ مَیں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور مَیں خدا کی ایک مجسّم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اَور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔“

(رسالہ الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 305-306)

ارشاد سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز

"قرآن کریم سے بھی ہمیں واضح ہوتا ہے کہ آخری زمانے میں خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم ہوگی۔ احادیث سے بھی ہمیں پتہ چلتا ہے کہ خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم ہوگی اور یہ دائمی خلافت ہے۔ اور ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی بڑی کھول کر وضاحت فرمائی کہ میرے بعد خلافت ہوگی اور ہمیشہ رہے گی۔ لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کو یہ بھی واضح فرما دیا کہ خلافت کے وعدہ سے فیض اٹھانے کے لئے، اس کے انعام سے حصہ لینے کے لئے اپنی حالتوں کو بدلنا ہوگا۔ صرف مسلمان کہلانا، صرف ظاہری ایمان کا اظہار کرنا خلافت کے ایمان کا حقدار نہیں بنا دے گا۔ پس اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ نصیحت فرماتا ہے کہ عبادت کا حق ادا کرنے کے لئے، شرک سے بچنے کے لئے نمازوں کو قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ رسول کی اطاعت کرو تبھی تم اللہ تعالیٰ کے رحم کو حاصل کر سکتے ہو۔"

(خطبہ جمعہ 25 مئی 2018)

پیغامِ صدر

عزیز برادران!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم سے ہم اپنی زندگیوں میں اللہ تعالیٰ کے افضال اور نعماء کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔۔ تعلیم الاسلام کالج کے قومیائے جانے پر نصف صدی بیت چکی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ تعلیم الاسلام کالج صرف ایک چاردیواری تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اس کی روایات کا سلسلہ تمام دنیا میں پھیل چکا ہے اور جدید ابلاغی سہولیات کے نتیجہ میں تمام دنیا میں پھیلے ہوئے سابق طلبہ تعلیم الاسلام کالج اپنی علمی ادبی تاریخی اور خدمتِ خلق پر مشتمل سرگرمیوں کی بدولت ایک دوسرے سے رابطہ میں ہیں۔ پیارے آقا سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق تعلیم الاسلام کالج کی روایات کے سرمایہ کو اگلی نسلوں تک منتقل کرتے چلے جانے کا عمل بھی جاری ہے اور نوجوانوں کو اس تنظیم میں شامل کرنے کا عمل بھی جاری ہے۔ اس سلسلہ میں والدین سے بھی گزارش ہے کہ اپنے بچوں کو کالج کی روایات سے روشناس کرنے کے ساتھ ساتھ ٹکوسا کی تفریحی اور فلاحی سرگرمیوں میں بھی شامل کیا کریں۔ کرونا کی شدت میں کمی اور آنے والے موسم میں تفریح پروگرام بنا کر بھائیوں کی خدمت میں اطلاع کر دی جائے گی۔ اس سلسلہ میں کوئی تجویز آپ کے ذہن میں آئے تو خاکسار کو اس سے مطلع کریں تاکہ اسے پروگرام کا حصّہ بنالیا جائے۔

سال 2020-2021 میں آپ دوستوں کے تعاون سے ہر سال 3 ملین سے زیادہ رقم سکالرشپ فنڈ میں پیش کرنے کی توفیق ملی اس کے علاوہ ایک اسکول کے دو کمرے اور ایک واٹر پمپ کی تعمیر میں حصہ لینے کی توفیق ملی۔ اس سال 2022 کے آغاز میں خاکسار نے سکالرشپ فنڈ کے ساتھ ساتھ ایک اسکول کی تعمیر کے لئے اسکول فنڈ میں حصہ لینے کی طرف توجہ دلائی تھی اس سال مارچ تک بہت سے دوستوں نے اپنے نام پیش کئے الحمد اللہ۔ معاونین کی فہرست اس شمارہ میں شامل ہے

جیسا کہ آپ کے علم میں آچکا ہے کہ آپ ٹکوسا کے لئے جو بھی عطیّہ دینا چاہیں وہ جماعتی رسید بک پر ادا کر سکتے ہیں اور یہ رقم آپ انکم ٹیکس ریٹرن میں بھی ظاہر کر سکتے ہیں۔ رسید بک میں TSF برائے ٹکوسا سکالرشپ فنڈ اور TMF کی مد برائے ٹکوسا ممبرسپ فنڈ کے لئے مخصوص ہے جو ہاتھ سے ہی فی الحال لکھا جارہا ہے۔

رمضان المبارک میں اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔

آمین

والسلام

آپ کی دعاؤں کا محتاج

خاکسار عبدالغفور ڈوگر

صدر۔ تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔ جرمنی

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی اور برطانیہ کے اراکین اپنے پیارے امام سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ 15 مارچ 2020

شعبہ جنرل سیکریٹری

مورخہ 30 جنوری 2022 کو ایک ٹکوسا جرمنی کی ایک جنرل میٹنگ آن لائین منعقد ہوئی۔ جس کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا جو مکرم محمد افضل صاحب نے کی۔ اس کے بعد مکرم حفیظ الرحمان انور صاحب نے نظم سنائی۔ اس پروگرام کے مہمان خصوصی مکرم محترم پروفیسر مبارک عابد صاحب امریکہ سے تھے۔ ممبران نے کالج کی یادیں شئیر کیں اور شعراء نے اپنا کلام بھی پیش کیا۔

جنرل میٹنگ میں کالج کی یادوں کے پروگرام حصہ لینے والے دوستوں میں مکرمان محمد عاقل خان صاحب، چوہدری نصیر باجوہ صاحب ، چوہدری حمید اللہ ظفر صاحب۔ شکیل احمد صاحب، حفیظ الرحمان انورؔ صاحب، عبد الشکور بھٹی صاحب، چوہدری منیر باجوہ صاحب، حبیب اللہ طارق صاحب، محمد اسحاق اظہر صاحب، چوہدری کولمبس خان صاحب اور مکرم بشارت احمد صاحب بشارؔت شامل تھے۔

مکرم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب نے ایسوسی ایشن کے قیام کی غرض اور ہماری ذمہ واریوں کی طرف توجہ دلائی۔

آخر میں مہمان خصوصی مکرم پروفیسر مبارک عابد صاحب نے کالج کی یادیں شئیر کیں اور ممبران کی فرمائش پر اپنا کلام پیش کیا۔

ممبران نے اس پروگرام میں بھرپور دلچسپی سے حصّہ لیا۔ مکرم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب نے اختتامی دعا کروائی۔

مبارک احمد عابدؔ۔ زمانہ طالب علمی

چوہدری حمید احمد صاحب سرپرست ٹکوسا جرمنی

عبد الغفور ڈوگر صدر ٹکوسا

محمد اسحٰق اظہر

مبارک احمد عابدؔ جنوری 2022 میں

منصور احمد جنرل سیکریٹری ٹکوسا جرمنی

حفیظ الرحمٰن انورؔ

حبیب اللہ طارقؔ

منیر احمد باجوہ

عبد الشکور بھٹی

حمید اللہ ظفرؔ

سیّد شکیل احمد

نوٹ: اس پروگرام کو ریکارڈ کیا گیا اور Ticosa German کے Youtube پر دیکھا اور سنا جاسکتا ہے

Letters to the Editor (in Daily Dawn)

Prof Abdus Salam Explains

I was delighted to read in your Overseas edition, Prof S.A. Fasih`s letter ("Dawn" June 13, 1981), reminding us of the well-known contributions of his school to Organic Chemistry. With equal reason he may also have spoken of the splendid work of the school created by Salim- uz-Zaman Siddiqi and of diverse similar schools in other sciences and techniques, throughout the country.

In my "Lament on Sciences" in Pakistan, I was not speaking of the past; I was more concerned with the future. I was concerned with reminding the nation of the Holy Prophet`s injunctions to acquire knowledge and science as bounden duties of a Muslim and of the Holy Book`s repeated emphasis on

Tafakkur (science) and Taskheer (technology).

Allah has endowed our nation with highest order qualities of creativity, inventiveness, perseverance, and craftsmanship – all qualities necessary for greatness in Sciences. What needs to be roused is national commitment: that "Namm" which Iqbal spoke about; "Zara Namm ho to Yeh Mitti Bahut Zarkhez hai Saaqi"

(ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی)

(This soil is very fertile when slightly moist.)

Inshallah, it will com.

ABDUS SALAM
Imperial College of Science and Technology, London
(ca.1981)

Briefe an den Herausgeber (in Daily Dawn)

Prof. Abdus Salam klärt auf

Ich war erfreut, in Ihrer Übersee-Ausgabe den Brief von Prof. S.A. Fasih ("Dawn" vom 13. Juni 1981) zu lesen, in dem er uns an die bekannten Beiträge seiner Schule zur organischen Chemie erinnert. Mit gleichem Recht könnte er auch von der großartigen Arbeit der von Salim- uz-Zaman Siddiqi gegründeten Schule und von verschiedenen ähnlichen Schulen in anderen Wissenschaften und Techniken im ganzen Land gesprochen haben.

In meinem "Lament on Sciences" in Pakistan habe ich nicht über die Vergangenheit gesprochen, sondern über die Zukunft . Es ging mir darum, die Nation an die Aufforderungen des Heiligen Propheten zu erinnern, Wissen und Wissenschaft als gebundene Pflicht eines Muslims zu erwerben, und der wiederholten Betonung des Heiligen Buches auf

Tafakkur (Wissenschaft) und Taskheer (Technologie).

Allah hat unsere Nation mit Kreativität, Erfindungsreichtum, Ausdauer und handwerklichem Geschick auf höchstem Niveau ausgestattet - alles Qualitäten, die für Größe in der Wissenschaft notwendig sind. Was wir brauchen, ist nationales Engagement: das "Namm", von dem Iqbal sprach;

“Zara Namm ho to Yeh Mitti Bahut Zarkhez hai Saaqi”.

(ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی)

(Dieser Boden ist sehr fruchtbar, wenn er leicht feucht ist)

Inshallah, es wird kommen.

ABDUS SALAM

Imperial College für Wissenschaft und Technologie, London

(راجہ محمد یوسف خان)

زندگی خوابوں کے سہارے گزرے گی کب تک
لوٹ کر آؤ گے اے یار ہمارے کب تک
کب تلک تکتے رہیں راہ ترے آنے کی
رات بھر بیٹھ کے گنتے رہیں تارے کب تک
اپنا پُر کیف تبسّم بھی سجا چہرے پر
گرمئ شوق ترا روپ سنوارے کب تک
باندھ کر رختِ سفر بیٹھے ہیں دروازے پر
پردۂ غیب سے ہوتے ہیں اشارے کب تک
کوئی بانہوں میں سمیٹے گا تو ہم سمٹیں گے
دیکھئے ٹوٹ کے ہوتے ہیں گزارے کب تک
سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں لبِ دریا یوسفؔ
ٹوٹتے رہتے ہیں موجوں کے کنارے کب تک

(چوہدری محمد علی مضطرؔ عارفی)

اے شورِ طلب اے آخرِ شب اے دیدۂ نم اے ابرِ کرم
خاموش کہ کچھ کہنا ہے گناہ ہشیار کہ چپ رہنا ہے ستم
اے حسن مہک، اے عشق بہک، اے شدتِ غم کے جام چھلک
اے چشمِ تحیّر گل کو نہ تک، بیدار نہ ہو جائے شبنم
رستے کی تھکن سے چور بدن مجبور وطن سے دور بدن
تو چاہے تو تھم اے تیز قدم جو نہ چاہے تو چل تیار ہیں ہم
گو برقِ تبسّم کوند چکی پر طُورِ تحیّر قائم ہے
اے حسن! گرا چلمن کو ذرا کہیں دیکھ نہ لے کوئی نامحرم
گلشن میں ہے اک کہرام مچا، موسم بھی ہے سہما سہما سا
دامن کو بچا اے بادِ صبا، کانٹے ہیں خفا اَور گل برہم
اے شمعِ ازل چل دیدہ و دل کی محفل میں پھر رقص کریں
پروانے جنوں سے بے گانے، یونہی بھول گئے سُر، تال، قدم
مے خانہ ترا آباد رہے، آزاد رہے، دلشاد رہے
دو گھونٹ پلا دے مضطرؔ کو، تجھے تیرے ہی جُود و عطا کی قسم

دسمبر 1947

کیا سیاسی حاکمیت اللہ کی ہے؟

مکرم ڈاکٹر ساجد علی صاحب

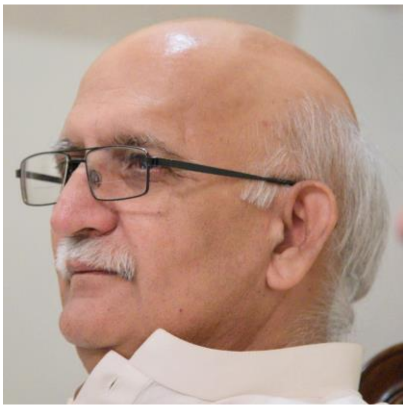

جدید انسان کی تمدنی تاریخ کا صحیح معنوں میں آغاز اس عظیم الشان واقعہ سے ہوتا ہے جسے زرعی انقلاب کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے بعد انسان نے گھر اور بستیاں بنا کر رہنے کا آغاز کیا اور زمین سے پیدا ہونے والے اناج کو اپنی گزر بسر کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ ایک ایسا ادارہ وجود میں آگیا جسے حکومت کا نام دیا گیا۔ اس حکومت نے بہت جلد خاندانی بادشاہت کا روپ دھار لیا اور اسے بالعموم تسلیم کر لیا گیا بادشاہ کا بیٹا ہی بادشاہ بننے کا حق دار ہوتا ہے۔

قدیم یونان کی تاریخ میں کتنے ہی حکمران گزرے ہیں جن کے نام کے ساتھ ٹائرنٹ (tyrant) لکھا ہوتا ہے۔ ابتدا میں اس لفظ کا مطلب ظالم و جابر نہیں تھا۔ مراد یہ ہوتی تھی کہ یہ خاندانی بادشاہ نہیں ہے بلکہ اس نے بزور حکومت پر قبضہ کیا ہے۔ ان میں بہت سے حکمران ایسے بھی تھے جو خاندانی بادشاہوں کے مقابلے پر عوام کی فلاح و بہبود کا بہتر خیال رکھتے تھے۔

حکمرانی کا ادارہ وجود میں آتے ہی جو بنیادی سوال پیدا ہوا وہ یہ تھا: کیا حکمران کا اختیار مطلق ہے یا اس پر کوئی حدود قائم کی جا سکتی ہیں۔ اس پر ایک ابتدائی نقطہ نظر کا بیان سوفوکلیز کے مشہور ڈرامے اینٹگنی (Antigone) میں ملتا ہے۔ جب بادشاہ شہر پر حملہ آور ہونے والی فوج کے ایک کمانڈر کو غدار قرار دیتے ہوئے اس کی لاش کی تدفین نہ کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس کمانڈر کی بہن، بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی اور رواج اور دیوتاوں کے قانون کی پیروی کرتے ہوئے، اس کی لاش کو دفن کر دیتی ہے اور بادشاہ کے قہر و غضب کا نشانہ بنتی ہے۔ اینٹگنی بادشاہ کے بیٹے کی منگیتر بھی ہے۔ بیٹا اپنے باپ سے اینٹگنی کو سنائی جانے والی سزا کی معقولیت پر بحث کرتا ہے۔ ایک مقام وہ آتا ہے جب باپ لاجواب ہو جاتا ہے تو وہ کہتا ہے میں ہی وہ شخص ہوں جو حکم دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ بیٹا جواب دیتا ہے پھر وہ حکومت ہی نہیں جس میں حکم دینے کا اختیار کسی ایک شخص میں مرکوز ہو۔ باپ کہتا ہے بادشاہ ہی ریاست ہے۔ بیٹا جواب دیتا ہے، جی ہاں! اگر ریاست ایک بیابان دشت ہو۔

مراد یہ ہے کہ جہاں دوسرے انسان بھی موجود ہوں وہاں حکم دینے، اور شہریوں کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرنے کا اختیار ایک ذات میں محصور نہیں کیا جا سکتا۔ معقولیت کا تقاضا ہے کہ اجتماعی معاملات کو شخصی پسند اور ناپسند سے ہٹ کر باہم مشورے سے طے کیا جائے۔

سیاسی فکر کی تاریخ میں حاکمیت کی اصطلاح کو متاخر قرون وسطیٰ میں اولاً سینٹ ٹامس اکوائنس نے استعمال کیا تھا۔ اس کے نزدیک خدا کی حاکمیت اس کے قانون کے ذریعے ہے۔ زمینی حکمران کی حاکمیت کا انحصار خدا کی اتھارٹی پر ہے اور اسے اس

اختیار کو مسیحی صداقت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے فلاح عامہ اور عدل کی خاطر استعمال کرنا چاہیے۔ سینٹ ٹامس کے نزدیک دنیوی اقتدار روحانی اختیار کے تابع ہے۔ اس فکر کی رو سے بادشاہ کو زیادتی سے روکنے کا اصل ادارہ کلیسائے روم کا ہے جو سینٹ پیٹر کا وارث اور مسیح (علیہ السلام) کا نائب ہے۔ مسیحی عوام کے تمام بادشاہ حضرت مسیح کے تابع ہیں۔ اب پاپائیت کا اعلیٰ ادارہ وجود رکھتا ہے جو مسیحی قانون کے مطابق لوگوں کی روحانی رہنمائی کرتا ہے اس لیے بادشاہ کو پوپ کے تابع ہونا چاہیے۔

اس کے برعکس، مشرقی آرتھوڈوکس چرچ کا نظریہ یہ تھا کہ مسیحی شہنشاہ کو اختیار براہ راست خدا کی جانب سے مسیح کی وساطت سے عطا ہوتا ہے۔ اس میں چرچ کا کوئی دخل نہیں۔ چنانچہ بازنطینی شہنشاہ کی ذات سب سے اعلیٰ عسکری کمانڈر بھی ہوتی، قانون ساز بھی، قاضی بھی، نجی اور سرکاری املاک کی مالک بھی۔ وہ کلیسا کے انتظامی امور کا بھی مختار ہوتا، بطریق کے نصب و عزل کا فیصلہ بھی وہی کرتا۔ اس دور کے نوفلاطونی فلسفیوں نے بازنطینی شہنشاہ کو زمین پر خدا کا سایہ قرار دیا۔

ہمارے ہاں اس بات کو حدیث کے طور پر مشہور کیا گیا ہے کہ السلطان ظل اللہ فی الارض اور آج بھی جمعہ کے خطبوں میں اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول بازنطینی اثرات کا نتیجہ ہے۔ خلفائے بنو عباس کا بنو امیہ پر یہ اعتراض تھا کہ وہ حکومت میں قیاصرہ روم کے طور طریقوں کی پیروی کرتے تھے۔ عباسی خلفا اس کے برعکس کسروان ایران کے مداح تھے۔

حاکمیت کا تصور یورپ کے سیاسی اور مذہبی کارفرماوں کی ایجاد و اختراع ہے۔ سیاسی حکمران چرچ کی اطاعت سے بچنا چاہ رہے ہوتے تھے جبکہ اہل کلیسا اپنے معاملات میں سیاسی مداخلت کو ناپسند کرتے تھے۔ ان دونوں فریقوں کے مابین اختیار کی رسہ کشی کی ایک طویل تاریخ ہے۔ باندھنے اور کھولنے کا اختیار چونکہ چرچ کے پاس تھا، اس لیے وہ گناہوں کی بخشش ہی نہیں سیاسی معاملات میں بھی بالادستی کا دعوے دار تھا جس کی بنا پر حکمرانوں کے ساتھ چرچ کا تنازعہ پیدا ہوتا رہتا تھا۔

اس کے برعکس مسلم تاریخ میں یہ تنازعہ کبھی موجود نہیں رہا کیونکہ یہاں حکمران ہی بالادست ہوتا تھا۔ مسلمانوں میں چونکہ چرچ کی طرح کا کوئی ادارہ وجود نہیں رکھتا تھا اس لیے مذہبی علما کو کبھی وہ اثر و رسوخ حاصل نہیں ہو سکا تھا جہاں وہ حکومتی معاملات پر اثرانداز ہو سکیں۔ وہ بادشاہ کے دربار میں بس ایک منصب دار ہو سکتے تھے۔ عثمانی ترکوں نے شیخ الاسلام کا منصب وضع کیا تھا لیکن ان کے فتاویٰ زیادہ تر سلطان کی مرضی کے تابع ہی ہوتے تھے۔ اس بنا پر مسلم تاریخ مذہب اور سیاست کے نزاع سے بالعموم پاک رہی ہے۔

حکومتوں کی طویل تاریخ قتل و غارت گری اور ظلم و تشدد سے عبارت ہے۔ کئی ہزار سال کا سفر طے کرنے کے بعد 1648ء میں یورپ میں تیس سالہ جنگ کے اختتام پر ویسٹ فالیا کے مقام پر ایک معاہدہ ہوا جس سے جدید ریاست کے تصور نے جنم لیا۔ حکومتوں کی سرحدوں کو بین الاقوامی طور پر تسلیم کرنے اور اپنی سرحد کے اندر معاملات کو اپنی مرضی سے چلانے کے

حق کو تسلیم کیا گیا۔ اس حق کو حاکمیت کا نام دیا گیا۔ سیاسیات کی اصطلاح میں حاکمیت سے مراد ہے کہ حکومت میں حتمی سیاسی اختیار کس کے پاس ہے۔ بادشاہتوں کے زمانے میں یہ اختیار باشاہ کے پاس ہوتا تھا جو بالعموم مطلق العنان ہوتا تھا۔ جمہوریت میں حاکمیت عوام کے پاس ہے۔ چنانچہ حاکمیت کا تصور جدید بین الاقوامی نظام کی بنیاد ہے جو عصر حاضر کی قومی ریاستوں اور قومی حکومتوں کو جواز فراہم کرتا ہے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ دور جدید سے پہلے سیاست اور مذہب میں کوئی دوئی نہیں تھی۔ اس وقت زندگی کا کوئی شعبہ مذہبی اثر سے آزاد نہیں تھا۔ مسیحی دنیا میں ہر اختیار کو، خواہ وہ دنیاوی ہو یا روحانی، سند جواز مذہب ہی عطا کرتا تھا۔ تمام مذہبی پیشوا اعلیٰ سطح پر نظم مملکت کا حصہ اور اس میں شریک ہوتے تھے۔

ان معروضات کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جدید ریاست کی طرح حاکمیت کا تصور بھی دور جدید کا پیدا کردہ ہے۔ جب جدید ریاست کا ادارہ وجود میں آیا تو اس وقت یہ سوالات پیدا ہوئے کہ کہ حاکمیت کا منبع کیا ہے؟ اس کا محل کیا ہے اور اس کا دائرہ کار کیا ہے؟

اس کے جواب میں مغرب میں معاہدہ عمرانی کے تصور نے جنم لیا۔ جان لاک نے جان، مال اور حریت کے تحفظ کو انسان کا بنیادی فطری حق قرار دیا تھا۔ عوام اپنے ان فطری حقوق کے تحفظ کے ریاست کا ادارہ قائم کرتے ہیں۔ اس لیے حکومت کو حاکمیت عوام کی طرف سے تفویض کی جاتی ہے اور اس کا استعمال اس حد تک جائز ہو گا جس حد تک وہ شہریوں کی فلاح میں مددگار ہو۔ اگر حکومت ان حقوق کو پامال کرے گی تو عوام اپنا یہ تفویض کردہ حق واپس لے سکتے ہیں جیسا کہ امریکہ کے اعلان آزادی میں کہا گیا تھا۔ برطانیہ اور امریکہ کے تصور حاکمیت میں یہ فرق ہے کہ برطانیہ میں خود مختاری پارلیمنٹ کے پاس ہے جب کہ امریکہ میں عوام کے پاس۔

دور جدید کے مسلمانوں کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ جدید دنیا میں جنم لینے والے تصورات کو لیتے ہیں اور ان کو مشرف بہ اسلام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بیسیوں صدی میں جب مسلم ریاستیں قائم ہونا شروع ہوئیں تو ان کو یہی مسئلہ درپیش تھا کہ کونسا نظام حکومت اختیار کیا جائے۔ جدید دور میں قائم ہونے والی پہلی ریاست ترکی تھی جس کی قیادت غازی مصطفیٰ کمال کے پاس تھی۔ اس نے خلافت اور سلطانیت کو ختم کرکے ترکی کے ریپبلک ہونے کا اعلان کر دیا۔

ہم نے ایک تحریک چلا کر ملک حاصل کیا۔ اس تحریک میں طرح طرح کے نعرے لگتے رہے۔ مختلف لوگ اپنے اپنے تصورات لے کر اس تحریک میں شامل تھے۔ کوئی خلافت راشدہ کا احیا دیکھ رہا تھا، کسی کو اسلامی ریاست قائم ہوتی نظر آ رہی تھی اور کوئی جدید جمہوری ریاست قائم کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس وقت مذہبی طبقے کی ایک بڑی تعداد مسلم لیگ پر فتووں سمیت حملہ آور تھی کیونکہ مسلم لیگ معروف معنوں میں مذہبی جماعت نہیں تھی۔ یہ عام اعتراض تھا کہ جو لوگ اپنے چھ فٹ کے جسم پر اسلام لاگو نہیں کر سکتے وہ ملک میں کس طرح اسلامی نظام قائم کریں گے۔ جماعت اسلامی کا کہنا تھا کہ وہ

مطالبہ پاکستان کی مخالفت اس بنا پر کر رہے ہیں کہ مسلم لیگ والے مسلمانوں کی قومی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں نہ کہ اسلامی ریاست۔

لیکن جونہی پاکستان معرض وجود میں آگیا مذہبی جماعتوں نے اس کو اسلامی ریاست بنانے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ قائداعظم کی وفات کے بعد لیاقت علی خان نے مولویوں کا منہ بند کرنے کے لیے قرارداد مقاصد منظور کروالی۔ کیا قرارداد مقاصد پاکستان کو ایک مذہبی ریاست بنانے کا پیش خیمہ تھی؟ میرا جواب نفی میں ہے۔ اس قرارداد کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایتی اسلام نہیں بلکہ ڈاکٹر جاوید اقبال کے الفاظ میں اسلام کی جدید تعبیر کا مظہر ہے۔ اس قرارداد کی شق اول میں ایک افسوسناک سمجھوتہ کیا گیا ہے لیکن باقی قرارداد میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔

قرارداد مقاصد کی شق اول میں تین باتیں کہی گئی تھیں 1۔ جمیع کائنات پر حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ 2۔ اس نے اپنی اتھارٹی ریاست پاکستان کو تفویض کر دی ہے۔ 3۔ ریاست پاکستان اس اتھارٹی کو عوام کے ذریعے مقرر کردہ حدود کے اندر ایک مقدس امانت کے طور پر استعمال کرے گی۔

شق دوم میں یہ عہد کیا گیا ہے کہ پاکستان کے عوام کی یہ نمائندہ اسمبلی خودمختار آزاد ریاست پاکستان کے لیے ایک آئین تشکیل دے گی۔

شق اول اور دوم میں فرق و اختلاف واضح ہے لیکن اس کو منطقی استدلال سے ڈھانپنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر ہم اس جملے "جمیع کائنات پر حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے" پر غور کریں تو یہ بہت مبہم دکھائی دیتا ہے۔ خدا کی حاکمیت دو طرح کی ہے: تکوینی اور تشریعی۔ جمیع کائنات پر تو خدا کی تکوینی حاکمیت ہی ہو سکتی ہے یعنی اس کائنات کا ایک ایک ذرہ طوعاً و کرھاً حکم الٰہی کا پابند ہے اور اس سے سر مو انحراف نہیں کر سکتا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ کسی طور بھی برآمد نہیں کیا جا سکتا کہ سیاسی میدان میں بھی حاکمیت اللہ کی ہے کیونکہ یہ خلاف حقیقت دعویٰ ہو گا۔ دنیا میں انسانوں کی عظیم اکثریت اس کو تسلیم نہیں کرتی۔ حاکمیت کا قوت نافذہ کے بغیر تصور قائم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اللہ نے سیاسی میدان میں اپنی مرضی انسانوں کے ذریعے سے نافذ کرنی ہے تو پھر کسی طور پر سیاسی حاکمیت کو اس سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم خدا کو سیاسی معنوں میں بھی حاکم قرار دیں گے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ انسانی حکمران زمین پر خدا کا نائب اور خلیفہ ہو گا۔ اس کا حکم اور اس کی مرضی خدا کا حکم اور خدا کی مرضی کہلائے گی۔ اس کا نتیجہ طاقت کی پرستش کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ جو بھی حکومت پر قبضہ کر لے گا وہ یہ دعویٰ کرے گا کہ اسے خدا نے اس منصب پر فائز کیا ہے اس لیے کسی عام انسان کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ فرضی بات نہیں ہے۔ بنوامیہ کے خلفا پر جب یہ اعتراض ہوا کہ ان کے منصب خلافت پر فائز ہونے میں مشورے کو دخل نہیں تو ان کا جواب یہی تھا کہ ان کو اللہ نے اس منصب پر فائز کیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ خود کو خلیفۃ اللہ قرار دیتے تھے۔

شق اول میں جو دوسری بات کہی گئی کہ "اس نے اپنی اتھارٹی ریاست پاکستان کو تفویض کر دی ہے" یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ وہ

کونسا فرد تھا جس پر یہ وحی نازل ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمیت ریاست پاکستان کو تفویض کر دی ہے؟ اور کیا یہ تفویض کردہ اتھارٹی ریاست پاکستان کی بین الاقوامی سرحدوں کی پابند ہے یا باقی دنیا پر بھی اس کا اطلاق ہو گا؟ اس پر ادنیٰ تامل کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ جملہ بے معنی ہے۔ شاید اسی بنا پر اسے بعد ازاں حذف کر دیا گیا تھا۔ سنہ 1956 سے لے کر جتنے بھی دستور بنے ہیں یہ جملہ کسی میں شامل نہیں۔

مزید افسوسناک بات یہ ہے کہ 1973 کے آئین میں شق دوم کو حذف کر دیا گیا ہے جس میں پاکستان کو خود مختار آزاد ریاست کہا گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مذہبی لوگوں کو شق اول اور دوم میں موجود تضاد کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اب اگر تکنیکی طور پر دیکھا جائے تو ریاست پاکستان کا یہ دعویٰ ہی نہیں کہ وہ آزاد اور خود مختار مملکت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بین الاقوامی معاہدوں کی رو سے دنیا ہمیں آزاد اور خود مختار مملکت تسلیم کرتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ قرارداد مقاصد پر اعتراض کرنے کے بجائے یہ زیادہ بہتر مطالبہ ہو گا کہ اسے اس کی شق دوم کو بحال کیا جائے۔

جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ قرارداد مقاصد سے مذہبی ریاست قائم ہونے کا عندیہ نہیں ملتا۔ یہی سبب ہے کہ منیر کمیشن کے سامنے مولوی حضرات نے اس قرارداد میں بیان کی گئی مملکت کے خاکے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ اس میں اقلیتوں کو برابر کے شہری تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ قرارداد آج تک کسی قانون سازی کی بنیاد بھی نہیں بن سکی۔ اس کا درجہ بس ایک مقدس متھ کا ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس قرارداد کے منظور ہونے کے کچھ عرصہ بعد مولانا مودودی صاحب نے کہا تھا یہ ایسی برکھا تھی جس سے پہلے نہ کوئی بدلی چھائی اور نہ بعد میں کوئی روئیدگی ہوئی۔

ہماری کامیابی اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے

"دوسری بات جو اپنے مشوروں میں مدنظر رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کا ہے اور اس کی ترقی ہماری کوششوں پر مبنی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نصرت پر منحصر ہے۔ اس لئے ہمیں کبھی یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ہماری کیا حیثیت ہے۔ ہماری حیثیت خواہ کچھ ہی ہو جن مقاصد کے لئے ہم کھڑے ہوئے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور اُسی نے یہ کام ہمارے سپرد کر کے کہا ہے کہ جاؤ ان مقاصد کو حاصل کرو۔ اوّل تو خدا تعالیٰ پر حُسنِ ظنی چاہتی ہے کہ ہم یہ خیال کریں کہ ہم ان مقاصد کو حاصل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ کوئی عقلمند انسان بڑے آدمی کا کام ایک بچہ کے سپرد نہ کرے گا۔ کوئی بادشاہ جرنیل کا کام ایک سپاہی کو نہیں دے گا۔ پھر کس طرح یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے سپرد وہ کام کرے جو ہم نہ کر سکتے ہوں اور وہ مقاصد پورے کرنا ہمارا فرض ٹھہرائے جن کے پورے کرنے کی ہم طاقت نہیں رکھتے"

(خطاب فرمودہ 25/مارچ 1932ء مطبوعہ خطاباتِ شوریٰ جلد اول صفحہ 482)

محترم چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے لئے "ستارہ اردن" کا اعزاز

(از تحدیث نعمت صفحہ 596)

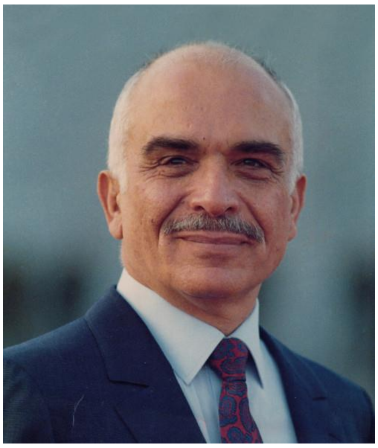

"جلالۃ الملک حسین ابن طلال بن عبد اللہ بڑی محبت اور احترام سے پیش آئے۔ فرمایا ہم سب تہہ دل سے تمہارے ممنون ہیں کہ تم نے قضیہ فلسطین کی ابتداء سے نہایت جرأت اور دانشمندی سے ہمارے حقوق کا دفاع کیا ہے اور جب حال ہی میں اسرائیلیوں نے سخت ظلم اور تعدی سے قبیبہ کا عرب گاؤں ہماری حدود کے اندر بے جا مداخلت کر کے برباد کر دیا تو تم نے خود مجلس امن میں پیش ہو کر اسرائیلیوں کی مکاریوں اور فریب کاریوں کا پردہ فاش کیا۔ میں نے عرض کیا کہ پاکستان قضیّہ فلسطین کو اپنا اور سارے عالم اسلام کا قضیّہ سمجھتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ جو مدد اور خدمت اس بارے میں ہمارے امکان میں ہو اس سے دریغ نہ کریں۔ جب قبیبہ پر اسرائیلی یورش کا مسئلہ مجلس امن میں زیر بحث آیا تو پاکستان کا فرض تھا کہ حق و انصاف کی پوری حمایت کی جائے۔ بیشک مجلس امن کی روایت ہے کہ عموماً ہر رکن کا مقرر کردہ مستقل نمائندہ ہی اس کی طرف سے مجلس امن مین تقریر کرتا ہے لیکن امور خارجہ میں ہر ملک کا اصل نمائندہ تو وزیر خارجہ ہی ہے۔ میں نے قرین مصلحت سمجھا کہ اس مسئلے کی اہمیّت کے پیش نظر میں خود پاکستان کی طرف سے نمائندگی کروں۔ جلالۃ الملک سے میری تین ملاقاتیں ہوئیں۔ ہر دفعہ بڑی محبت سے پیش آئے۔ ایک ملاقات میں تو صرف میں حاضر خدمت تھا بلا تکلف عرب اور عالم اسلام کے اہم مسائل پر گھنٹہ بھر سے زائد گفتگو رہی۔ دوسرے دن شام کے کھانے پر وزراء اور سفراء کثیر تعداد شرفاء کی مدعو تھی۔ کھانے کے بعد جلالۃ الملک نے کمال شفقت سے ستاہ اردن کا سب سے اعلیٰ نشان مجھے مرحمت فرمایا اور سفیر صاحب کا بھی اسی طریق پر اعزاز فرمایا۔"

اردن کے بادشاہ عبد اللہ ثانی کی خدمت میں باریابی

مورخہ 15 اپریل 2022 کو مکرم عبد الرزاق ڈوگر صاحب (ابن مکرم چوہدری عبد العزیز صاحب مرحوم۔ مہتمم مقامی ربوہ) پرانے طالب علم T.I.College لوسا جرمنی کی اردن کے موجودہ بادشاہ عبد اللہ ثانی ابن جلالۃ الملک حسین ابن طلال بن عبد اللہ سے ملاقات ہوئی. بادشاہ نے از خود انہیں شرفِ باریابی کے لئے دعوت دی تھی۔

معاونین خصوصی کے لئے درخواست دعا

2022 کے آغاز میں خاکسار نے اپنے بھائیوں کی خدمت میں سکالرشپ فنڈ کے ساتھ ساتھ ایک اسکول کی تعمیر کے لئے سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی منظوری سے سکول فنڈ میں حصہ لینے کی درخواست کی تھی۔ الحمدللہ اس کے جواب میں مارچ تک بہت سے دوستوں نے اپنے وعدہ جات پیش کر دیئے۔ جس کے لئے خاکسار ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہے۔

جن دوستوں نے وعدہ جات اور ادائیگی میں حصہ لیا ہے ان کے نام بغرض دعا پیش خدمت ہیں:

مکرم محمود سلیمان صاحب۔ €1000	مکرم قمر عطاء صاحب۔ €200	مکرم سعید ناز صاحب بمعہ بچگان۔ €1000	مکرم داؤد چیمہ صاحب۔ €1000
مکرم عبدالغفور ڈوگر۔ €1000	مکرم عمران ذکاء صاحب۔ €1000	مکرم محمد ادریس صاحب۔ €50	مکرم منور احمد باجوہ صاحب۔ €7000

سالہا سال سے سکالرشپ فنڈ کے لئے ایک بہت بڑی رقم ادا کرنے والے ہمارے معاونین خاص بھی دعاؤں کے مستحق ہیں:

مکرم سعید ناز صاحب	مکرم طاہر اختر صاحب	مکرم میجر رانا عبدالوحید صاحب	مکرم طارق منیر صاحب
مکرم ملک نوید صاحب	مکرم ہارون چوہدری صاحب	مکرم مولانا حیدر علی ظفر صاحب	مکرم شیخ منصور احمد صاحب
مکرم فاروق احمد صاحب	مکرم داؤد احمد چیمہ صاحب	مکرم چوہدری فہیم الدین صاحب	مکرم ڈاکٹر محمود طاہر صاحب
مکرم ظہیر احمد صاحب	چوہدری انیس احمد صاحب	مکرم عبدالشکور بھٹی صاحب	مکرم شکیل احمد صاحب
مکرم طارق محمود صاحب	مکرم چوہدری نصیر احمد صاحب	مکرم پروفیسر چوہدری ناصر احمد صاحب	مکرم لئیق احمد صاحب
مکرم صغیر احمد صاحب	مکرم عبدالرزاق ڈوگر صاحب	مکرم ثاقب محمود سلیمان صاحب	مکرم محمود سلیمان صاحب
مکرم لئیق چیمہ صاحب	مکرم عبدالحنان ڈوگر صاحب	مکرم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب	

اور بھی بہت سے دوست عرصہ کئی سال سے سکالرشپ کے پروگرام میں حصہ لے رہے لسٹ کافی لمبی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ تمام شامل ہونے اور حصہ لینے والے دوستوں کے اموال اور نفوس میں برکت دے اگر کسی دوست کا نام رہ گیا ہو تو معذرت قبول کریں۔

خاکسار

عبدالغفور ڈوگر

صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

الھڑ مٹیار، ڈاکٹر اور جبری زیادتی کا سرٹیفیکیٹ

از جناب شیخ لئیق احمد صاحب بشکریہ "ہم سب" 18 فروری 2022

"کالی دھوتی سفید کرتہ پہنے آلتی پالتی مارے درخت کے سائے میں بیٹھی کوئی چودہ پندرہ برس کی" یہاں پہنچتے ڈاکٹر کی آواز بھرا چکی تھی اور وہ چشمہ اتار آنسو پونچھنے لگ گیا تھا

ستاون اٹھاون برس قبل کی کہانی ہے۔ شادی وادی کے جھمیلے سے آزادی ہوتے چھٹی کے دن ہم چار پانچ دوست کسی ایک کے گھر اکٹھے ہو جاتے اور گپ شپ میں وقت گزرتا۔ جب میاں صاحب کے گھر ہوتے تو کبھی کبھی ڈاکٹر انعام بھی شامل ہو جاتا۔ ڈاکٹر انعام ان کا کزن تھا اور اس کی تعیناتی کچھ ماہ قبل فیصل آباد جھنگ روڈ پر جھنگ کے قریب ایک قصبہ کے چھوٹے ہسپتال میں ہوئی تھی۔ کبھی کبھار آ جاتا۔

آج شدید گرمی کی سہ پہر لان میں بیٹھے ڈاکٹر انعام کی آواز میں نہ وہ شگفتگی تھی نہ توجہ۔ ستا ہوا خوف زدہ چہرہ دیکھ آخر پوچھنا پڑا۔ جواب میں بتا رہا تھا کہ وہ فوری تبادلہ کی درخواست لکھ آیا ہے اور اگر تبادلہ میں دیر ہوئی تو دوسرے جہان تبادلہ ہو سکتا ہے۔ اور پھر درد کی داستان شروع ہو گئی۔

"دوپہر وقفہ کے دوران ہسپتال سے کچھ فاصلے پر ڈاکٹر کے رہائشی کوارٹر میں گہری نیند میں تھا کہ ڈسپنسر نے جگا فوری ساتھ چلنے کو کہا کہ علاقے کے معروف ڈیرے دار کے کارندے فوری ملنا چاہتے ہیں۔ باہر کڑکتی دھوپ میں ایک درخت کی چھاؤں میں کھڑے چند افراد میں سے ایک نے آگے بڑھ اپنا تعارف "مہر صاحب" (علاقے کے پرانے آبادکار جنہیں جانگلی کہا جاتا تھا) نے ایک خاص کام کے لئے بھیجا ہے جو کرنا لازم ہے۔ ہم بات کرتے دوسرے درخت کے قریب پہنچے تو دو تین خواتین کے سے آگے بیٹھی کنکروں کے ساتھ آلتی پالتی مارے اکیلی "گیٹے" کھیلتی کالی دھوتی سفید کرتے میں ملبوس ایک چودہ پندرہ سال کی لگتی معصوم سی الھڑ سی دکھائی دیتی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے آنکھ مارتے پوچھا کہ کیسی لگی۔

میں ابھی کچھ سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ کہنے لگا کہ ہم اسے آپ کے پاس چھوڑے جا رہے ہیں۔ آپ کا گھر الگ تھلگ ہے کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ تین چار دن رکھیں جس طرح چاہیں جتنا چاہیں استعمال کریں۔ بس ہمیں اس کے ساتھ جبری زنا کیے جانے کی رپورٹ ہمیں چاہیے۔ مہر صاحب نے اپنے مخالف کے بیٹے پہ ڈالنا ہے۔ میں سن ہو چکا تھا۔ ایک خاتون نے منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔ درخت کے پچھلی طرف ایک کوئی غریب کمی کمار لگتا آدمی پگڑی زمین پہ پھینکے منہ دوسری طرف کیے کھڑا تھا۔

بجلی جیسی ایک لہر میرے جسم سے طاقت کھینچے جا رہی تھی۔ میں نے پھر اسے دیکھا اور وہ مجھے اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ صحن کے فرش پہ بیٹھی گیٹے کھیلتی اس کی سہیلی لگ رہی تھی۔ اور ایک معصوم کے ساتھ بدفعلی اور وہ بھی زنا بالجبر، میرا سر گھوم رہا تھا اور پھر اچانک ہمت کرتے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ نہ تو میں خود یہ گند کھیلوں گا نہ اگر کسی اور سے کسی کا بھی آپ کی طرف سے آئے کیس کا سرٹیفیکیٹ جاری کروں گا۔ کوئی اور گھر ڈھونڈیں۔

چند منٹ وہ مجھے بار بار اس لڑکی کی طرف دیکھنے، لذت کی ترغیب دینے اور ہر ممکن مرحلہ کے حل کا یقین دلاتا رہا اور خدا تعالیٰ مجھے ہمت دیتا گیا۔ آخر یک دم اس کا منہ غصے سے لال ہو گیا بھنویں تن گئیں مونچھوں پہ بل دیتا دھیمی مگر سخت دھمکی

آمیز آواز میں مجھے کہہ رہا تھا کہ آج تک اس علاقے میں کسی کو مہر صاحب کو نہ کرنے کی جراءت نہیں ہوئی افسر سارے جھک کے سلام کرتے ہیں آپ نے انکار کر کے چنگا نہیں کیا کام تو کہیں اور سے یا یہیں آیا کوئی اور کر دے گا مگر ڈاکٹر اتوں اپنی خیر منا۔ یہاں تو بندے کی لاش بھی نہیں ملتی۔

میں لڑکھڑاتا واپس آ بستر پہ لیٹ تصور میں اس الہڑ مٹیار کی چیخیں سن رہا تھا۔ دو تین دن سے نہ سویا ہوں نہ کام پہ پورا دھیان ہے۔ بس کالی دھوتی سفید کرتے میں ملبوس الہڑ مٹیار کی چیخیں۔" ڈاکٹر دوبارہ روہانسا ہو چکا تھا۔ وہ فوری تبادلہ کی درخواست لکھ آیا تھا۔

ستاون اٹھاون برس گزر چکے۔ ڈاکٹر کا جلد ہی تبادلہ ہو گیا اور پھر اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ مگر اس کے بعد جب بھی کسی اخبار میں بعد میں ٹی وی پر اور اب سوشل میڈیا پر بھی، زنا بالجبر کی کوئی خبر چھپتی ہے جس میں لڑکے یا لڑکی کا کسی سیاسی یا خاندانی یا گروہی یا مقدمہ بازی قسم کی مخالفت وجہِ وقوعہ بتائی جاتی ہے، میرے ذہن میں اس گیٹے کھلیتی کالی دھوتی سفید کرتے والی الہڑ مٹیار کا ہیولا اور چیخیں گھوم جاتی ہیں۔

زمانہ بدل چکا ہر چیز کمپیوٹر پہ آ چکی۔ ڈی این اے ٹیسٹ شروع ہو چکے مگر نظر دیکھتی ہے کہ کمپیوٹر پہ لوڈ کرنے والی اور ڈی این اے ٹیسٹ کا رزلٹ درج کرنے والی انگلیاں تو پہلے سے بیسیوں گنا زیادہ بدعنوان ہو چکیں۔ (چیف) جسٹس ریٹائر ہو بیرون ملک بھاگ گیا، گھناؤنے ترین جرم میں سزا یافتہ ہٹا کٹا مجرم ہسپتال کے وی آئی پی کمرے میں ہے، شراب شہد ہو چکی اور۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ ۔عزیر بلوچ عدم ثبوت کی بنا پر سترہویں مقدمے میں (شاید باعزت) بری ہو چکا۔

"ساغر و جام چلتا ہے"

دل سے جب دل آ کے ملتا ہے — فرطِ الفت سے اشک تب نکلتا ہے
ندامت وقت پر کر لیں تو بہتر — وقت گزرے تو انساں ہاتھ ملتا ہے
زیست کی حقیقت کو بھی ذرا سمجھو — وقت، جیسے کہ آفتاب ڈھلتا ہے
چمن کا منظر فصلِ بہار میں دیکھو — ہر پرندہ خوشی سے چہچہاتا ہے
تیرے میخانے کی سدا خیر ہو ساقی — رِند پیتے ہیں ساغر و جام چلتا ہے
تیرے چہرے پہ جب پڑیں نظریں — بس میں رہتا نہیں یہ دل مچلتا ہے
عشق کی راہ پہ چلنا سنبھل کے منیر — قدم قدم پہ یہاں قدم پھسلتا ہے

(منیر باجوہ)

تازہ خواہی داشتن

ڈاکٹر نصیر احمد خان

لالے میں کب کہاں کسی سرو و سمن میں تھی
وہ رودِ رنگ و بو کی جو گل پیرہن میں تھی

پھر کیا ہوا کہ فصلِ گل آئی ہمارے بعد
دوشِ صبا پہ خاک تو اپنی چمن میں تھی

ہم کب ہنسے کہ دیدۂ بینا نہ رو پڑا
کچھ بے بسی بھی اپنے رخِ خندہ زن میں تھی

گُل دے گئی چراغِ خرد کو ہزار بار
"وہ تیرگی جو زلفِ شکن در شکن میں تھی"

دل کیا دیا کہ ایک زمانے سے ٹھن گئی
کس کس کی لاگ تھی کہ تمہاری لگن میں تھی

گویا ہوئے تو کوثر و تسنیم بہ پڑے
اک موجِ سلسبیل کی شیریں دہن میں تھی

شبنم کو چھیڑ آئی کہیں عندلیب کو
کیا محوِ ناز بوئے گل اپنے چمن میں تھی

بارِ خرد سے ہم تو سبکدوش ہو گئے
اک بے خودی کی لہر تری انجمن میں تھی

کھلتے ہیں یوں تو لالہ و گل ہر جگہ ندیم
لیکن کہاں وہ بات جو اپنے چمن میں تھی

کیا کیا پڑے ہیں لعل و گہر خاک میں نہاں
ارزاں بکی ہے جنس جو کشتِ وطن میں تھی

منصور بھی کھنچے چلے آئے نصیر بھی
حیراں ہوں کیا کشش تھی کہ دار و رسن میں تھی

ہدایت اللہ ہادی

ازالمنار اکتوبر۔نومبر۔دسمبر 1966

غزل !

صد ہزاراں داغ ہیں اس سینۂ صد چاک میں
جن سے روشن ہیں ستارے دیدِ نمناک میں

کپکپا اُٹھتا ہے ہر اک عضو، مرے جسم کا
جانئے کیا بات ہے اُس کے قبا کے چاک میں

سینکڑوں تارے تمناؤں کے چمکے بار ہا !
جب کبھی آئے ہو تم مرے خیال پاک میں

جب کبھی وہ روئے روشن سامنے آجائے ہے
ولولے انگڑائیاں لیتے ہیں اس دلِ غمناک میں

سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں اُن کی خاطر دوستو!
جن کی خاطر مبتلا ہوں گردشِ افلاک میں

زُلف سائے کی طرح یوں رُخ پہ بل کھاتی رہی
جیسے بادل چھا رہے ہوں وسعتِ افلاک میں

روزوشب ھادیؔ رہا گردش میں جن کے واسطے
پاس ہی بیٹھے رہے وہ سایۂ ادراک میں

Grußwort

Erika u.Gustav Lünenborg (Oberst a.D) Hamburg, 20. Jan. 2022
beim Gästeempfamg der Ahmadiyya Muslim in Nahe/ S-Ham 21. Jan. 2022

Meine sehr verehrten Damen und Herren,
liebe Freunde der Ahmadi-Gemeinde Nahe.

Eigentlich sollte es für meine Frau und mich gut sein mit **unserem letzten Grußwort**, das wir am 26. Oktober 2019 bei der Einweihungsfeier der Moschee hier an der Wakendorferstrasse sprechen durften. Wir hatten 30 Jahre unsere Ahmadiyya Muslime begleitet. Am Anfang konnte niemand sagen, ob ihr Wunsch, in Nahe ein **überörtliches** Gebetszentrum einzurichten in Erfüllung gehen würde. Doch nun war mit dem Bau der Moschee ein glücklicher Schlussstein gesetzt.

Ich hatte meinen 80. längst hinter mir, meine Frau knapp vor sich, wir waren aus **unserm Haus hier in der Twiete**, neben dem Ahmadi-Hof inzwischen in eine Wohnung nach Hamburg gezogen, noch immer gut verbunden mit unserem Freund Columbus Khan und dem ein oder anderen Briefwechsel mit Abdullah Wagishauser, dem Amir für Deutschland. Wir schrieben noch die Chronik „30 Jahre Ahmadiyya-Muslime in Nahe“ und übergaben sie dem Gemeindearchiv.

Nun trafen wir im vergangenen November auf **eine Gruppe junger Männer**, die in Begleitung des Imams und organisiert von Danial Wadood mit uns die Linden in der schönen Allee vom reichlich gewachsenen Efeu befreiten. Beim anschließenden Kaffee kamen wir in ein langes Gespräch. Sie waren berufstätig oder noch im Studium, hatten den Blick auf das Jetzt und auf ihre Zukunft gerichtet, **von der bewegten Geschichte** ihres Gemeindezentruns hier in Nahe wussten sie wenig. Sie hörten uns eher staunend zu wie **wir berichteten** von der Ersteigerung dieses Hofes vor 30 Jahren im Amtsgericht Bad Segeberg, von den ersten Sorgen vieler Naher Bürger vor den neuen Nachbarn, von den fast 10 Jahre andauernden Auseineindersetzung

der Gemeindevertretung, ob sie der Nutzung des Hofes als überörtliches Gebetszentrum der Ahmadiyya zustimmen sollte.
Wir berichteten von der „Initiative Naher Bürger“, die fürchteten, die Ahmadi würden bald das halbe Dorf aufkaufen und der Kalif würde seinen Sitz von London nach Nahe verlegen, von der Aufnahme der Ahmadifrauen in das monattliche Frauenfrühstück der SPD, wir berichteten von der Vortragsreihe der Ahmadi und der evangelische Kirchengemeinde, wechselnd im kirchlichen Gemeindehaus und hier im Ahmadi-Hof, die mit einem großartigen deutsch-pakistanischen Büfett ausklang, schließlich vernahmen sie ungläubig, dass ein Urteil des Oberverwaltungsgerichts in Schleswig der Ahmadiyya-Gemeinde letztendlich das Recht auf Nutzung ihres Hofes sicherte.
Damals vor 30 Jahren war eine auch uns gänzlich **unbekannte muslimische Religionsgemeinschaft** nach Nahe gekommen und wollte mitten im Dorf ein überörtliches Gebetszentrum einrichten. Auch wir waren zunächst erschrocken. Wir waren evangelische Christen und den Werten unserer Verfassung tief verbunden. Kam da eine Religionsgemeinschaft aus einer fremden Kultur, mit autoritären, patriarchalischen, **frauenfeindlichen** Strukturen in unser Dorf? Es wurde ein langer gemeinsamer Weg, bei dem uns der damalige Sprecher der Ahmadi, Columbus Khan, heute uns längst freundschaftlich verbunden, entscheidend zu Seite stand.
Wir mischten uns ein, 13 Jahre, in hundert Veranstaltungen und in hundert Gesprächen. Wir lernten viele liebenswerte Menschen kennen, waren tief beeindrucht von der Persönlichkeit des Kalifen, aber **wir ließen uns auch fragen** „Wo sind die Frauen?“, wenn bei Veranstaltungen nur die Männer auftraten. Wir atmeten auf, als bei einem Neujahrsempfang die muslimischen Familien, Männer, Frauen und ihre Kinder mit uns ihren Gästen in bunter Runde zusammensaßen, auf dem Podium neben den Männern eine Muslima und unter den Ehrengästen der Vorsitzende der jüdischen Gemeinde Bad Segeberg. Aber bei der Einweihung der Moschee waren die Frauen von den Gästen getrennt im großen Frauenzelt und auf dem Podium die Oberbürgermeisterin und die Pastorin, aber keine Muslima. Bei aller Normalität, da sind unsere muslimischen Freunde **noch auf dem Weg**.

Sorgen, ja auch Widerstand im Dorf waren zu erwarten gewesen. Die Ahmadis sind ihnen mit Geduld und Anstand begegnet. Sie haben ihre Versprechen gehalten: keine Missionierung, keine Ausbreitung und statt Dominanz bewiesen sie Freundlichkeit und Zurückhaltung. Wir lernten, dass ihr Wahlspruch: **„Liebe für Alle, Hass für keinen“**, der in unseren Ohren naiv klang, von den Ahmadiyya-Muslimen, unseren neuen Nachbarn sehr ernst gemeint war.

Nun, 30 Jahre später saßen wir mit 10 jungen Ahmadi und ihrem Imam beisammen. Sie erzählten von ihren Berufen und Studien, die meisten IT-Fachleute, ein Rechtsanwalt, wir fragten nach ihren Frauen, ihren Freundinnen, die meisten von ihnen waren im Beruf, im Studium, in der Ausbildung oder kümmerten sich zu Hause um die Familie. Da waren 10 junge Männer, in Deutschland geboren, in Kindergärten, Schulen, Universitäten und anderen Arbeitsplätzen sozialisiert, hineingeboren in ihren muslimischen Glauben, aber in Übereinstimmung mit der deutschen Verfassung, der Verfassung ihres Heimatlandes, **dessen Bürger sie waren.** Und der Imam hörte gelassen und zustimmend unserem Gespräch zu.

Europas Reichtum kam immer aus der friedlichen Mischung der Kulturen der Welt, Europas Elend begann immer mit Rassismus und Fremdenhass. Die Gemeinde Nahe hat das Projekt zugelassen, möge es zum Nutzen aller in Frieden gedeihen. Die neu gepflasterte Lindenalle ist auch ein Schmuckstück für das Dorf, die Moschee an der Wakendorfer Strasse passt sich gut ins Strassenbild ein und erfüllt den Traum der muslimischen Nachbarn. Als wir kurz vor der Einweihung der Moschee Bürgermeister und Pastor fragten, antworteten beide: **„Wir haben im Dorf keine Probleme mit den Ahmadi“.**

Es ist viel erreicht. Sollten eines Tages auf dem erschlossenen Grundstück Familien leben, das große Gelände in der Mitte des Dorfes ansehnlich gestaltet und das Gebetszentrum eine weltoffenene Begegnungsstätte der Religionen und Kulturen geworden sein, dann hätten Muslime und Gemeinde Nahe ein beispielhaftes Projekt geschaffen **für den kleinen und den großen Frieden** in dieser Welt.

Wir beglückwünschen alle Beteiligten und wünschen Ihnen unseren Zuhörern ein gutes neues Jahr.

Erika u. Gustav Lünenborg

درویش کے دانتوں کی مجلس شوریٰ

مکرم وجاہت مسعود صاحب۔بشکریہ "ہم سب"

چودھویں صدی عیسوی میں دو نادرہ روزگار شاعر پیدا ہوئے، حافظ شیراز اور جیفری چاسر۔ عمر خیام بارہویں صدی میں رخصت ہو چکے تھے۔ اب نہ اصفہان میں رصد گاہ کی جستجو تھی اور نہ صراحی سے چھلکتی چہار سطری رباعیات کی موج ہائے طرب آمیز کا ہنگام تھا۔ حافظ شمس الدین شیرازی کو ایران پر تیموری یلغار کی تاخت و تاراج سے واسطہ رہا. مطرب شیراز نے بیم موج کے گرداب سے سبکسارانِ ساحل کو پیغام بھیجا کہ "دریاب نقد وقت وزچون وچرا مپرس" (ایچ پیچ کی باتیں چھوڑو اور زندگی کی مہلت سے لطف اٹھاؤ)۔ بہت برس بعد ایک اور رنگ میں رفیع سودا نے یہی نکتہ بیان کیا:

اے ساکنانِ کنجِ قفس صبح کو صبا
سنتے ہیں جائے گی سوئے گلزار کچھ کہو

یہ وہی دن تھے جب لندن میں جیفری چاسر نام کا شاعر کلیسا کی دھوپ چھاؤں قلم بند کر رہا تھا. لسان الغیب حافظ شیراز ملائے مکتب کی چیرہ دستی جانتے تھے تو چاسر بھی دھرم کے روزگار کی تیرہ شبی سے شناسا تھے. اس کا ایک اشارہ تو چاسر کی کینٹر بری ٹیلز کے کرداروں کی فہرست ہی سے مل جاتا ہے اور پھر اس قافلے میں شامل عدالتی اہلکار کا وہ معروف بیان:

Friars and fiendsare but little different

آپ تو جانتے ہیں کہ Friar کلیسا کا ایک ماتحت عہدیدار ہوتا تھا اور Fiend شیطان کو کہا جاتا ہے۔

چار مارچ کو قصہ خوانی بازار پشاور کی امامیہ مسجد میں خودکش حملہ آور نے درجنوں عبادت گزار شہید کر دیئے. اب ریاست کے ذمہ دار مناصب پر فائز افراد کی بے حسی دیکھیے۔ 12 مارچ کو ہوابازی کے وفاقی وزیر غلام سرور خان جلسہ عام میں اس خواہش کا اعلان فرماتے ہیں کہ وہ خودکش بمبار بن کر "ملک اور دین کے دشمنوں" پر حملہ کرنا چاہتے ہیں. یہ اشارہ معنی خیز ہے کہ 73 برس قبل 12 مارچ (1949) ہی کے دن ریاست نے بابائے قوم کے طے کردہ نصب العین سے انحراف کرتے ہوئے قرارداد مقاصد کی صورت میں قوم کا تشخص بدل ڈالا تھا۔ قائد اعظم نے کسی مذہبی امتیاز کے بغیر تمام شہریوں کی برابری کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ریاست کا حقیقی فرض تمام شہریوں کا معیار زندگی بہتر بنانا ہے۔ قائد کو ادراک تھا کہ کسی خاص مذہب کو ترجیحی درجہ دینا ریاست کی تباہی کا نسخہ ہے کیونکہ عقیدہ فرد کے ضمیر کا انتخاب ہے، اسے دوسروں پر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی معاشرے میں انفرادی رنگارنگی کی طرح عقیدوں کی تفہیم میں بھی بے پناہ تنوع پایا جاتا ہے۔ ریاست کا منصب عقاید کی تحکیم

یعنی غلط یا صحیح کا فیصلہ کرنا نہیں بلکہ تمام شہریوں کے حق عقیدہ کی حفاظت ہے۔ ریاست کے خالص قانونی عمرانی معاہدے اور فرد کے داخلی حق عقیدہ کو گڈمڈ کیا جائے تو مذہب جیسا ارفع مظہر روباہ صفت دست فروشوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے جنہیں ہر مخالف پر "دین دشمنی" کی تہمت دھر کے اپنے مفادات کی گاڑی دھکیلنے میں عار نہیں ہوتی۔ دہشت گرد عناصر کا حقیقی اثاثہ یہی ہے کہ ہم نے اس ملک میں اختلاف رائے کے احترام کی بجائے ہر اختلافی آواز کو گردن زدنی قرار دینے کی روایت قائم کر رکھی ہے۔ کسی بھی مقدس نعرے کی آڑ میں مخالفین کو طاقت کے بل پر کچل دینے کو روا قرار دے رکھا ہے۔ گزشتہ برسوں میں دین کے نام پر وحشت گری میں ہزاروں جانوں کی قربانی، ناقابل اندازہ معاشی نقصان اور ملکی وقار کی بے حرمتی کے باوجود کسی کو دہشت گردی کی بنیاد میں کارفرما خرابی کی نشاندہی کی ہمت نہیں۔ دہشت گردی کے واقعات کی مذمت کرنے والے بہت لیکن انتہاپسندی کے فلسفے کی مزاحمت کرنے والا نہیں ملتا۔ افغانستان سے ملنے والے اشاروں سے بھی ہم گزشتہ غلطیوں کے اعتراف پر تیار نہیں ہیں۔

قومی اسمبلی میں تحریک عدم اعتماد پیش ہو چکی۔ دستور کے مطابق 172 منتخب ارکان اپنے لئے قائد ایوان چننے کا حق رکھتے ہیں۔ اس خالص سیاسی معاملے پر وزیراعظم کی گُل افشانیاں ملاحظہ کیجئے۔ جلسہ عام میں کھڑے ہو کر خارجہ پالیسی کی نزاکتیں بیان فرما رہے ہیں۔ مغرب دشمنی کا ڈھول بجایا جا رہا ہے۔ ادھر امریکی سینیٹ میں پاکستان مخالف قرارداد کا رنگ دیکھئے. مژگاں تو کھول، شہر کو سیلاب لے گیا۔ دوسری طرف حزب اختلاف بھی اسی رنگ میں کشمیر فروشی اور یہود دوستی جیسے بے سروپا الزامات اُچھال رہی ہے۔ اگر جمہوری طریقے سے ظُلمت میں نور کاڑھنا حقیقی مقصد ہے تو حکومتی اتحادیوں اور حکمران جماعت کے برگشتہ ارکان کی شوخ قدمی پر سر دُھننے کی بجائے کچھ زیادہ اہم سوالات دیکھئے۔ کیا ہم ملکی معیشت کو درپیش مشکلات کے کسی سنجیدہ حل کا ارادہ رکھتے ہیں؟ کیا ہمیں ایک ذمہ دار ریاست کے طور پر اپنے تشخص کی فکر ہے؟ کیا عشروں سے چلی آ رہی نقصان دہ داخلی اور خارجہ پالیسیوں پر نظر ثانی ممکن ہو سکے گی؟ پارلیمنٹ ہمارے اجتماعی امکان کی محافظ ہے یا شخصی مفادات کے حصول کا آلہ؟ کیا ہم پاکستان کی ریاست اس کے حقیقی حکمران یعنی عوام کو لوٹانے میں دلچسپی رکھتے ہیں؟ اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے تو جان لیجیے کہ حکومت کی تبدیلی سے حالات نہیں بدلیں گے۔

آپ کو خبر دینا تھی کہ درویش نے کسی آئندہ حکومت کے ممکنہ خدوخال کی پیش بندی کرتے ہوئے اپنے دانتوں کی مجلس شوریٰ قائم کر لی ہے. کل ملا کے گیارہ دانت حقیقی ہیں مگر کمزور، لرزاں اور بہت سے فروختنی دانتوں کے درمیان معمولات دہن کی بجاآوری سے قاصر۔ ایک عہد عبور جیسی کیفیت ہے اور اس سے بڑھ کر یہ جاں گُسل احساس کہ اب شاید اسی رنگ میں زندگی کرنا ہو گی۔ یہ میرا دامن صد چاک، یہ ردائے بہار....

(سیر الیون میں چیف سیّد معین شاہ صاحب)

یاروں کی جب بھی یاد آتی ہے
کچھ لفظ زباں زیرِ لب لاتی ہے
پیارے جب بھی یاد آئیں
نیک باتیں ان کی سنائیں
کریں مل کر سب یہ دعائیں
رتبہ وہ اعلیٰ جنت میں پائیں
جو کچھ بھی پایا ہے ہم نے
سب ہیں یہ انہی کی دعائیں
گرا کر بُت آناؤں کا سب
آناؤں کو یوں توڑتے ہی جائیں
یہ پیار کے رشتے کبھی ٹوٹنے نہ پائیں
انہیں سب اب جوڑتے ہی جائیں
گر کوئی بات، پسند نہ آئے
اسے یکسر بھول ہی جائیں
معین! محبت ہو سب سے، نفرت نہیں
پیار کے نقش دل میں بٹھائیں

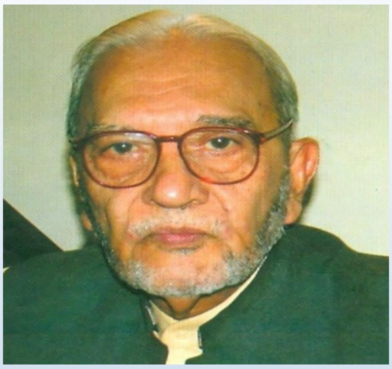

(راجہ غالب احمد)

بے شک ہزار بار ملے عمر بھر ملے
لیکن عجیب لگتے گئے جس قدر ملے
منصور و قیس سے تو کوئی معتبر ملے
دشتِ جنوں میں کاش کوئی بے ہنر ملے
تعمیر ہم نے بے در و دیوار کی بہت!
پھر کیوں ہمارے گھر سے وہی سنگ و سر ملے
سات آسمان، سات زمینیں، تمام گم
گم گشتہ خیال کو حدِ نظر ملے
وہ امتیازِ ہوش و جنوں جانتا ہے خوب
جی پھر بھی چاہتا ہے مجھے بھول کر ملے
پھر نیند مجھ کو آئے اُسی خمار میں
اک لمحہ خواب کا مجھے پھر دار پر ملے
اے سکنانِ دیر و حرم ڈھونڈتے رہو
کیا جانیں اب کہاں وہ تمہیں، کس کے گھر ملے
اُس لامکاں کے کھوج میں اِس شہر کے قریب
سوچا ہے کھٹکھٹائیں گے جو پہلا در ملے
پت جھڑ میں بن ملے کی ملاقاتیں ہو گئیں
آنا کبھی بہار میں فرصت اگر ملے
چشمِ خزاں میں خواہشِ بیدار دیکھنا
کچھ تازہ پھول سوکھی ہوئی شاخ پر ملے

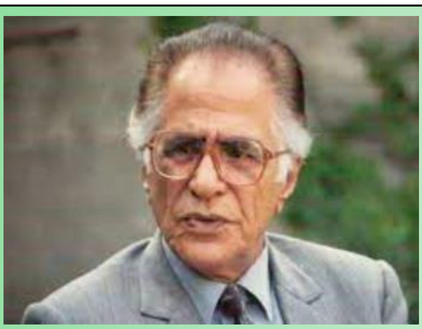

((احمد ندیم قاسمی))

خدا کرے میری ارض پاک پر اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشہء زوال نہ ہو

یہاں جو پھول کھلے وہ کِھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

یہاں جو سبزہ اُگے وہ ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبز کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو

گھنی گھٹائیں یہاں ایسی بارشیں برسائیں
کہ پتھروں کو بھی روئیدگی محال نہ ہو

خدا کرے نہ کبھی خم سرِ وقارِ وطن
اور اس کے حسن کو تشویش ماہ و سال نہ ہو

ہر ایک خود ہو تہذیب و فن کا اوجِ کمال
کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو

خدا کرے کہ میرے اک بھی ہم وطن کے لیے
حیات جرم نہ ہو زندگی وبال نہ ہو

جذبات تشکر کا اظہار

خاکسار کا نام محمد اسلم ناصر ہے۔میری پیدائش مئی 1953 میں بمقام ربوہ ہوئی۔میرے والد محترم محمد اسحٰق انور صاحب واقف زندگی تھے۔ میری عمر اندازاً بارہ سال تھی جب میرے والد محترم گھوڑے سے گرنے کے باعث زخمی ہوئے اور کافی عرصہ بیمار رہنے کے بعد نومبر 1971 میں اپنے مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہوگئے۔بوقت وفات وہ قریباً اناتلیس سال کے تھے۔والد محترم کی بیماری کے باعث چونکہ گھر میں بڑا میں ہی تھا اس لئے گھریلو ضروریات کے پیش نظر مجھے بارہ سال کی عمر سے ہی مختلف کام کرنے کی ضرورت پیش آئی مثلاً چارپائیاں بُننا، لوگوں کو میٹھا پانی لاکر دینا، کسی کا آٹا پسوا دینا اور پرانی کاپیوں کے کاغذ کے لفافے بنا کر بیچنا وغیرہ۔اسی طرح بعض اوقات رات کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر جاتا اور قُلیوں کا کام بھی کرتا رہا تا کسی طرح کوئی آمدن ہو جائے اور گزر بسر میں آسانی ہو۔آمین

تعلیمی سلسلہ بھی ساتھ ساتھ جاری رہا اور محض خدا تعالیٰ کے فضل سے میں نے 1969 میں میٹرک فرسٹ ڈویژن میں کر لیا۔میٹرک کے بعد تین ماہ نوکری کی تلاش میں کوشش کرتا رہا مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔پھر جماعت کے ایک بزرگ محترم میاں عبدالرحیم احمد صاحب جو میرے والد صاحب کے دوست تھے اور وکیل الزراعت بھی تھے انہوں نے میرے داخلے کا انتظام کر دیا۔چنانچہ اکتوبر 1969 میں تعلیم الاسلام کالج میں ایف ایس سی میں داخل ہوا۔

کالج کا ماحول بہت اچھا تھا ہمارے اساتذہ والدین سے بڑھ کر پیار کرنے والے تھے۔نہ صرف ہماری تعلیمی سرگرمیوں پر نظر رکھتے تھے بلکہ ہماری اخلاقی اور روحانی تربیت کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سب دعاگو تھے اور اپنے طلباء کے لئے بھی بہت بڑھ کر دعائیں کرنے والے تھے اور آج ہم سب جو ثمر کھارہے ہیں اس میں ایک بہت بڑا حصہ ان دعاؤں کا ہے جو ہمارے مشفق و مہربان اساتذہ کرام نے اپنے طلباء کے حق میں کیں۔

کالج میں لیٹ داخل ہونے کی وجہ سے میں نے بڑی دلجمعی سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔یہ خوف دامنگیر تھا کہ دیر سے داخلے کی صورت میں کہیں سال ضائع نہ ہو جائے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے اساتذہ کی خصوصی توجہ اور محنت کی وجہ سے میں نے فرسٹ ائیر کا امتحان پاس کر لیا۔

سیکنڈ ائیر کا آغاز ہوا۔بہت سے اساتذہ کرام تھے جن سے مجھے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ان میں سرفہرست محترم چوہدری حمید اللہ صاحب تھے جو ہمارے محلہ کے رہائشی بھی تھے۔اسی طرح محترم عبدالرشید غنی صاحب، محترم اسلم منگلا صاحب، محترم اسلم صابر صاحب، محترم مرزا خورشید احمد صاحب تھے جن سے چند ایام انگریزی پڑھنے کا موقع میسر آیا پھر محترم عبدالجلیل صادق صاحب، محترم پرویز پروازی صاحب ، محترم رحمت علی مسلم صاحب تھے جو ہمیں اردو پڑھاتے تھے اور بعد میں جامعہ احمدیہ چلے گئے تھے۔اسی طرح سلطان محمود شاہد صاحب جن سے بعد میں میرا تعلق دوستی کا رنگ بھی اختیار کر گیا تھا۔اسی طرح محترم رفیق احمد ثاقب صاحب، محترم مبارک احمد انصاری صاحب اور حبیب اللہ صاحب شامل ہیں۔

یہ سلسلہ چلتا رہا اور انہی اساتذہ کی سرپرستی میں میری ایف ایس سی کی تکمیل ہوئی۔اس وقت ایک نیشنل سروس پروگرام کے تحت جس میں ہر نوجوان کے لئے چھاؤنیوں میں جاکر ایک سال کے لئے ٹریننگ حاصل کرنا ضروری ہوتا تھا۔اس پروگرام کے تحت مجھے بھی سیالکوٹ چھاؤنی جانا پڑا مگر اس وقت 1971 کی جنگ کا آغاز ہو چکا تھا اور اس جنگ کے بعد ایک سال کے پورا ہونے سے قبل ہی واپس بھجوا دیا گیا۔میرا اندازہ ہے کہ میں وہاں قریباً چھ ماہ رہا تھا۔بہرحال ان چھ ماہ میں کچھ الاؤنس بھی ملتا رہا اس سے کچھ بچت بھی ہوگئی۔

واپس آنے کے بعد میں نے بی۔ ایس۔ سی میں داخلہ لے لیا۔خاکسار نے نویں جماعت ہی سے ٹیوشن پڑھانے کا سلسلہ بھی جاری رکھا تھا اور باقی کام جن کا اوپر ذکر کر آیا ہوں وہ بھی اگر مل جاتے تو شام کو کیا کرتا تھا۔میں الحمدللہ ریاضی میں اچھا تھا تو اپنے ہم جماعت ساتھیوں کو ہی ٹیوشن پڑھایا کرتا تھا۔اسی طرح دسویں میں بھی پڑھاتا رہا اور جب کالج گیا تو وہاں بھی چند جونئیر طلبا کو پڑھانے کا موقع ملتا رہا۔

بی۔ایس۔سی میں بہت سے طلبا تھے جو متمنی تھے کہ میں ان کو ٹیوشن پڑھاؤں کیونکہ میں پڑھانے کے معاملہ میں دیانت داری کو ہمیشہ مدنظر رکھتا تھا۔میرے خیال میں درجنوں ایسے طلبا ہیں جن کو پڑھانے کا موقع میسر آیا۔بی۔ایس۔سی میں خاکسار نے پنجاب یونیورسٹی میں دوسری پوزیشن حاصل کی اور اسی بنا پر یونیورسٹی نے مجھے ریاضی میں ایم۔ایس۔سی M.Sc. کرنے کے لئے سکالرشپ کی پیش کش کی تھی۔

خاکسار حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔حضور کے استفسار فرمانے پر عرض کیا کہ ریاضی میں ہی ایم۔ایس۔سی کرنا چاہتا ہوں مگر اسلام آباد میں قائداعظم یونیورسٹی سے کرنا چاہتا ہوں۔حضورؒ نے میری خواہش کے پیش نظر اس سلسلہ میں کوشش کرنے کا فرمایا اور حسب ضرورت جماعتی تعاون کی بھی نوید سنائی۔

قائداعظم یونیورسٹی میں نہ صرف میرا داخلہ ہوگیا بلکہ سکالرشپ بھی مل گیا۔یونیورسٹی کے قاعدہ کے مطابق 50 فی صد طلبا سکالرشپ کے حقدار تھے۔ہم اس وقت کل 28 طلبا تھے جن میں سے 14 کو سکالرشپ ملی تھی اور ان 14 میں سے 6 احمدی طلبا تھے جن میں 4 ربوہ کے تھے اور دو ربوہ سے باہر کے تھے۔

ایم۔ایس۔سی فرسٹ سمسٹر کے اختتام پر 28 طلباء میں سے 14 رہ گئے تھے۔باقی فیل ہونے والے طلبا کو واپس بھجوا دیا گیا تھا۔14 میں سے 7 کو سکالرشپ ملنی تھی اور 7 میں سے پانچ طلباء احمدی تھے جن کو M.Sc. مکمل کرنے تک سکالرشپ ملتا رہا۔الحمدللہ وہاں بھی احمدی طلبا کے بارہ میں تاثر بہت اچھا تھا۔کھیلوں میں بھی ہم نمایاں تھے۔تعلیم الاسلام کالج کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ یہ باسکٹ بال،فٹ بال اور کشتی رانی میں دوسرے اداروں کی نسبت بہت آگے تھا۔اگرچہ وقت کی قلت کے باعث کھیلوں کا شوق نمایاں نہ ہوسکا تاہم کھیلوں میں مجھے حصہ لینا پڑتا تھا۔باسکٹ بال کشتی رانی اور ہاکی جس کے نگران محترم عبدالرشید غنی صاحب تھے کھیلنے کا موقع ملا۔فٹ بال کا میں بہت شوقین تھا۔

محترم چوہدری حمید اللہ صاحب: کالج میں مجھے محترم چوہدری حمید اللہ صاحب سے اکتساب علم کا موقعہ میسر آیا۔اگرچہ محترم چوہدری صاحب ہمارے محلہ کے رہائشی تھے تاہم مجھے ان کے بارہ میں زیادہ علم نہ تھا۔آپ بہت خاموش طبیعت کے حامل تھے۔ Calculus کے کچھ حل طلب معاملات تھے جن کے حل کے لئے میں نے محترم چوہدری صاحب سے درخواست کی۔وہ ایسا روحانی اور پرکیف ماحول ہوتا تھا جس کا بیان ممکن نہیں ہے اساتذہ والدین سے بڑھ کر پیار کرتے تھے۔باوجود اس کے کہ چوہدری صاحب ایک بہت مصروف شخصیت تھے کئی جماعتی ذمہ داریاں آپ کے سپرد تھیں۔صدر مجلس خدام الاحمدیہ بننے کے بعد آپ کی ذمہ داریوں میں کئی گنا اضافہ ہوگیا اور ازاں بعد افسر جلسہ سالانہ کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہوئی اور جلسہ سالانہ کا کام تو جلسہ کے آغاز سے کئی ماہ قبل ہی شروع ہو جایا کرتا تھا اور روزانہ کی بنیاد پر دفتر جلسہ سالانہ بھی جاتے۔مجھے یاد ہے کہ انہوں نے اپنے دفتر میں ایک پلیٹ لگائی ہوئی تھی جس پر لکھا ہوا تھا کہ Rest is to rust یعنی بیٹھ رہنے کا نتیجہ زنگ لگنا ہے۔مجھے چوہدری صاحب سے بہت کچھ سیکھنے کا موقعہ ملا۔آپ نظم وضبط کی عملی تصویر تھے۔ذہن کو جلا بخشنے کے لئے بہت اچھے مشورے دیتے تھے۔

اس وقت گھڑیاں عام نہیں تھیں۔مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنی پہلی گھڑی M.Sc. فائنل ایئر میں لی تھی۔ٹیوشنز کی وجہ سے آنے جانے میں وقت کو ملحوظ خاطر رکھنا پڑتا تھا۔ Calculus کی حل طلب مشکلات کے لئے میری درخواست پر محترم چوہدری صاحب نے مجھے عصر کے بعد گھر آنے کی ہدایت کی ہوئی تھی ۔میں ان کے گھر چلا جاتا تھا بعض اوقات کسی جماعتی مصروفیت کی وجہ سے اس وقت نہ پڑھاسکنے کی مجبوری بھی ظاہر کردیتے تھے۔بہرحال جس خلوص،شوق،محبت اور چاہت سے انہوں نے تعلیم دی وہ قابل فخر بھی ہے اور قابل تحسین بھی ہے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے قرب میں جگہ دے اور ان کی نیکیاں ہمیں جاری رکھنے کی توفیق دے۔آمین۔

محترم سلطان محمود شاہد صاحب: اسی طرح سلطان محمود شاہد صاحب سے پہلے شاگردی اور بعد میں دوستی کا تعلق بھی رہا۔کیونکہ کالج میں مجھے M.Sc. کے بعد کچھ عرصہ پڑھانے کی توفیق ملی اسی طرح جامعہ نصرت میں بھی ایک سال فزکس پڑھانے کی توفیق ملی اور اس جگہ پڑھانے کے لئے محترم سلطان محمود شاہد صاحب نے ہی میرا نام حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں تجویز کیا تھا۔آپ سادگی میں بھی ایک بہت عظیم الشان شخصیت کے حامل وجود تھے۔اپنے بچپن کی یادیں سنایا کرتے تھے۔ان کے بزرگ چونکہ پیر تھے اس حوالہ سے بھی واقعات سناتے کہ ان کے کیمسٹری سے جڑنے کا کیا باعث ہوا۔مثلاً اپنے بزرگوں کے حوالے سے بتاتے کہ وہ اپنے ناخنوں کے نیچے سکرین کا چھوٹا ٹکڑا رکھ لیتے اور لوگ پانی لاتے۔بزرگ اپنا ہاتھ اس میں ڈالتے اور سکرین کے اثر سے وہ میٹھا ہو جاتا اور لوگ اس کو کرامت سمجھ لیتے۔

محترم حبیب اللہ صاحب: کیمسٹری کے استاد محترم حبیب اللہ صاحب کا تذکرہ بھی نہایت ضروری ہے۔آپ محترم مولانا عبدالمالک خان صاحب کے بڑے بھائی تھے اور علی برادران جو ہندوستان کی سیاست کے نامور رکن تھے کے بڑے بھائیحضرت ذوالفقار علی خان گوہر رامپوری رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کی سعادت بھی حاصل کی ہوئی تھی کے بیٹے تھے۔محترم مولوی حبیب اللہ صاحب سادگی کا مجسمہ اور عاجزی وانکساری کا مرقع تھے۔ہم طلباء نے ان کا عرفی نام قائد اعظم رکھا ہوا تھا کیونکہ ان کی شباہت قائد اعظم سے ملتی تھی۔پڑھانے کا جو فن محترم مولوی حبیب اللہ صاحب کے پاس تھا وہ ان کے حلقہ احباب میں کم ہی اساتذہ کو میسر تھا۔وہ باتوں باتوں میں ہمیں بہت کچھ سکھا جاتے تھے۔ایک مرتبہ انہوں نے کالج کے چند طلبا کو گھر مدعو بھی کیا اور اپنی استطاعت کے موافق ہماری خاطر مدارت بھی کی اور گھر کے صحن میں لگے میٹھے پانی کے نلکا سے ہمیں پانی پلایا جو آج تک ہماری حسین یادوں کا حصہ ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور ان کی نیکیوں کو ہماری اولاد در اولاد میں جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔اٰمین

محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب: ہر سال دسمبر میں محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب بھی جلسہ سالانہ کے لئے ربوہ آتے تھے جلسہ میں شمولیت کے علاوہ ڈگری کالج واقعہ دارالعلوم میں جہاں ایم۔ایس۔سی کی کلاسز شروع ہوگئیں تھیں اس میں لیکچر بھی دیا کرتے تھے۔دسمبر 1973 میں یہ نوٹس ڈاکٹر صاحب کی آمد کے حوالہ سے آویزاں ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کالج میں صبح آٹھ بجے لیکچر دیں گے۔سردیوں کے ایام تھے اور میرے پاس گھڑی بھی نہیں تھی لہٰذا اندازاً ہی کالج چلا گیا۔لیکچر ہال خالی تھا۔میں دوسری قطار میں بیٹھ گیا۔ڈاکٹر صاحب پورے آٹھ بجے آئے مجھے دیکھا اور لیکچر شروع کر دیا۔انہوں نے لیکچر جاری رکھا اور جیسے جیسے باقی سٹاف کو علم ہوا تو وہ بھی شامل ہوتے گئے۔اگلے دس پندرہ منٹ میں قریباً سب آگئے۔لیکچر سے فراغت کے بعد ڈاکٹر صاحب چائے کے لئے تشریف لے جانے لگے تو مجھے بلا کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ اصل سٹوڈنٹ تو یہی ہے اسے بھی ساتھ لے کر چلیں اور اسی دوران ڈاکٹر صاحب کو اپنا تعارف کروانے کا موقع میسر آیا۔ہر سال ڈاکٹر

صاحب تشریف لاتے تو سٹاف سے ملاقات کرتے اور خصوصاً فزکس کے طلبا کے ساتھ ملاقات میں اس میدان میں تحقیق کے حوالہ سے بیش قیمت نصائح سے نوازتے۔

ایم ایس سی کے بعد گھانا میں قیام کے دوران پی ایچ ڈی کے لئے امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں داخلہ اور سکالرشپ کا انتظام بھی ہو گیا تھا مگر نہ جانے کی وجہ یہی بنی کہ امریکہ ستمبر میں جانا تھا اور میں جنوری میں فارغ ہو رہا تھا اس لئے نیوزی لینڈ کا انتخاب ہوا۔ گھانا میں ہی قیام کے دوران ڈاکٹر عبدالسلام صاحب سے بذریعہ خطوط دوبارہ رابطہ ہوا اور انہوں نے مجھے پہچان بھی لیا۔ ڈاکٹر صاحب کی ایسی کئی یادیں ہیں جو ہمارے کالج سے تعلق رکھتی ہیں انشاء اللہ کسی اور وقت ان کا بیان کروں گا۔

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے قومیائے جانے سے قبل جن اساتذہ سے مجھے اکتسابِ علم کا موقع میسر آیا وہ در حقیقت بہت پیار کرنے والے اور تعلیمی، تربیتی، اخلاقی لحاظ سے ہماری نوک پلک سنوارنے میں ہر دم کوشاں رہتے تھے۔ اس دور کے گریجوایٹس اس وقت اکنافِ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور علم اور معرفت میں اپنے اپنے میدان میں اپنا سکہ منوا چکے ہیں۔ اغلباً 1971 میں لاہور سے ایک میڈیکل سکول کے پرنسپل ہماری کانووکیشن کے لئے تشریف لائے۔ ان کی تقریر انگریزی زبان میں تھی۔ وہ فرمانے لگے کہ 1960 کی دہائی میں جب ہم میڈیکل کے لئے داخلہ کرتے تھے تو پہلا، دوسرا تیسرا اچھا تعلیم الاسلام کالج سے ہی ہوتا تھا اور میں حیران ہوتا تھا کہ یہ کالج کہاں ہے اور یہ جاننے پر کہ یہ ربوہ میں واقع ہے جو ایک گاؤں ہے میری خواہش اور زور پکڑتی کہ اس جگہ جا کر اس کالج کو دیکھنا چاہیے کہ وہاں ایسی کیا چیز ہے جس کی وجہ سے وہاں کے امیدوار بہت کامیاب اور علم کی تحصیل میں نہایت دیانتدار ہیں۔ چنانچہ امسال اس کالج کی طرف سے دعوت موصول ہونے پر مجھے بہت فرحت محسوس ہوئی اور میں یہاں حاضر ہو گیا۔

انہوں نے کہا کہ آپ کے کالج کے سرپرست صرف ایک دنیاوی عالم نہیں ہیں بلکہ فی الحقیقت وہ ایک روحانی اور دینی عالم ہیں دنیاوی تعلیم کے ساتھ وہ آپ کی روح کی پاکیزگی کا اہتمام فرماتے ہیں اور آپ کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کو ان کی سرپرستی میں حصول تعلیم کا موقع میسر ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ ہمارے کالج کے طلباء میڈیسنز، انجنیرنگ غرض ہر میدان میں سب سے آگے ہوتے تھے۔ مجھے بھی جب اسلام آباد جانے کی توفیق ملی تو بفضلہٖ احمدی طلباء بھی سب سے آگے ہوتے تھے۔ الحمد اللہ علی ذلک

صبح سیر کو جاتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

"ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ ہمت اخلاق فاضلہ میں سے ہے۔ اور مومن بڑا بلند ہمت ہوتا ہے۔ اور اسے ہر وقت خدا تعالیٰ کے دین کی نصرت اور تائید کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اور کبھی بزدلی ظاہر نہ کرنی چاہیے۔ بزدلی منافق کا نشان ہے۔ مومن دلیر اور شجاع ہوتا ہے۔ مگر شجاعت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس میں موقع شناسی نہ ہو۔ موقع شناسی کے بغیر جو فعل کیا جاتا ہے وہ تہوّر ہوتا ہے۔ مومن میں شتابکاری نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ نہایت ہوشیاری اور تحمل کے ساتھ نصرت دین کے لیے تیار رہتا ہے اور بزدل نہیں ہوتا۔ انسان سے کبھی ایسا فعل سرزد ہو جاتا ہے جو خدا تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے اور کبھی خوش کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر کسی سائل کو دھکا دیا تو وہ سختی کا موجب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا فعل ہوتا ہے۔ اس لیے اسے توفیق نہ ملے گی کہ وہ اسے کچھ دے سکے۔ لیکن اگر اس سے نرمی اور اخلاق سے پیش آئے گا، تو خواہ اسے پیالہ پانی کا ہی دے دے تو وہ ازالہ قبض کا موجب ہو جائے گا۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 295)

راجہ غالب احمد صاحب مرحوم

پاکستان کے شہرہ آفاق تخلیقی ادیب، شاعر اور دانشور

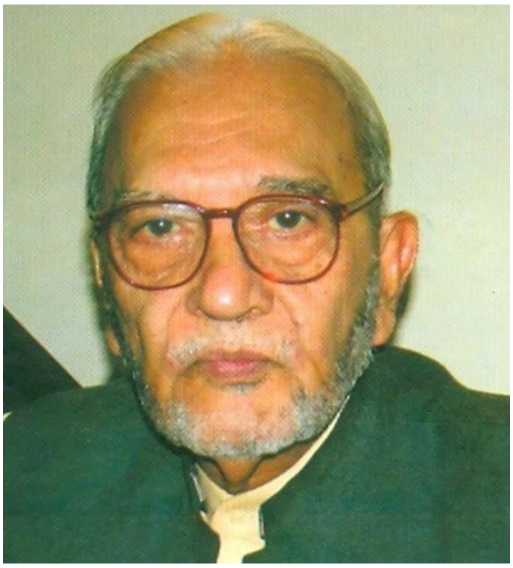

منور علی شاہد۔جرمنی

جماعت احمدیہ لاہور میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی وفا اور محبت کرنے والی بہت سے ایسی شخصیات پیدا کی ہیں جنکی خلیفۂ وقت، نظام خلافت اور سلسلہ سے عقیدت جنون کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔لاہور کے ایسے ہی مخلصین میں سے ایک محترم راجہ غالب احمد صاحب بھی ہیں۔ آپ ان پاک اور نیک وجودوں میں سے ایک تھے جو خلیفۂ وقت کے سچے سلطانِ نصیر کہلانے کے حقدار ہیں اور جماعتی تعلیمات کا عملی نمونہ بن کر ہمیشہ تقویٰ کی راہوں پر چلنے والے ہوتے ہیں، نظام جماعت کی کامل اطاعت، اس کی حفاظت اور اس کی تشریح اپنے قول و فعل کے ساتھ کرتے کرتے زندگی گزار کر اس دنیا سے تو رخصت ہو جاتے لیکن دوسروں کے لئے مشعل راہ بن جاتے ہیں۔ آپ نے 4جون 2016کو 88برس کی عمر میں لاہور میں وفات پائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ بیت النور ماڈل ٹاؤن لاہور میں آپ کی نماز جنازہ مکرم طاہر احمد ملک صاحب امیر لاہور نے اور ربوہ میں نمازِ عصر کے بعد مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر اعلیٰ وامیر مقامی ربوہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور بہشتی مقبرہ دارالفضل ربوہ میں تدفین کے بعد محترم صاحبزادہ صاحب موصوف نے ہی دعا کرائی(روزنامہ الفضل ربوہ 8جون 2016 صفحہ 8)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ فرمودہ 17 جون 1916 میں مکرم راجہ غالب احمد صاحب کے بارے میں ان کے خاندانی تعارف اور خدمات دینیہ کا ذکر کیا اور فرمایا:

”ان کے والد حضرت راجہ علی محمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے انہوں نے 1905 میں بیعت کی اور سلسلہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کی۔ان کے والد کو قادیان میں بطور ناظر مال اور ناظر اعلیٰ خدمت کی توفیق ملی۔راجہ غالب احمد صاحب کے نانا ملک برکت علی صاحب تھے اور حضرت ملک عبد الرحمن خادم صاحب جو خالد احمدیت تھے آپ کے ماموں تھے۔ حضور نے فرمایا” ان کے والد حضرت راجہ علی محمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے انہوں نے 1905 میں بیعت کی اور سلسلہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کی۔ان کے والد کو قادیان میں بطور ناظر مال اور ناظر اعلیٰ خدمت کی توفیق ملی۔راجہ غالب احمد صاحب کے نانا ملک برکت علی صاحب تھے اور حضرت ملک عبد الرحمن خادم صاحب جو خالد

احمدیت تھے آپ کے ماموں تھے۔ حضور نے فرمایا ”1974 کے بعد آپ کو بطور ترجمان جماعت احمدیہ کئی بار پریس کانفرنسیں، پریس ریلیزیں اور بیانات جاری کرنے کا موقع ملا۔ خطوط لکھنے والے تھے۔ اخبارات کو ذاتی بیانات دینے کا موقع ملا۔ 1992 تا 1997 ڈائریکٹر فضل عمر فاؤنڈیشن، 1975-85 تک ڈائریکٹر وقف جدید اور اس کے علاوہ نائب صدر ناصر فاؤنڈیشن بھی رہے۔ بڑے سادہ مزاج اور بڑے دھیمے مزاج کے تھے۔ خلافت سے ان کا بڑا تعلق تھا اور جماعتی عہدیداروں کی بھی بڑی عزت اور احترام کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت کا سلوک فرمائے درجات بلند کرے ان کی اولاد نہیں تھی ان کی ایک لے پالک بیٹی تھی اللہ تعالیٰ اس کو بھی صبر اور حوصلہ عطا فرمائے“۔(الفضل انٹرنیشنل 24 جون 2016)۔

خاکسار کی کوئی حیثیّت نہیں ہے کہ اس عظیم شخصیت پر اظہارِ خیال کروں لیکن مدعا بس یہی ہے کہ آپ کا ذکر خیر ہو جاوے اور احباب آپ کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لئے دعائیں کریں نیز ان کی خدمات کو نئی نسل کے سامنے رکھا جائے۔ لاہور میں ایک اہم جماعتی ذمہ داری کے حوالے سے اِس عاجز کا آپ کے ساتھ کم و بیش 11 سال تک نہایت قریبی تعلق رہا جس کے نتیجہ میں جہاں آپ کی شفقت، محبت خاکسار کو میسّر آئی، وہیں آپ جیسی صاحب علم و قلم اور نفیس شخصیت سے سیکھنے کے علاوہ آپکو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ کے ساتھ، آپ کی راہنمائی میں گزرے شب و روز یقیناً میرے جیسے کمزور نالائق انسان کے لئے ایک قیمتی اثاثہ سے کم نہیں۔ ذیل کی سطور میں ”یادوں کے وسیع صحرا“ میں پھیلی پرانی یادوں کی روشنی میں محترم غالب احمد راجہ صاحب کی شخصیت، دینی خدمات کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی عاجزانہ کوشش کی گئی ہے۔

محترم غالب احمد راجہ صاحب بیشمار خوبیوں کے مالک تھے، فرشتہ صفت انسان تھے، عاجزی اور انکساری کا پیکر تھے۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ اور خلافت سے وفا، محبت اور وفا کا گہرا تعلق تھا۔ خلفائے احمدیت، خاندان حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور سلسلہ کے دیگر بزرگان سے ان کی محبت عقیدت اور وفا بلندی کو پہنچی ہوئی تھی۔ آپ ایک صائب الرائے اور منکسر مزاج انسان تھے۔ ایک دانشور، شاعر، بلند پایہ لکھاری اور بہترین نقاد تھے۔ بہت سے قومی اخبارات و جرائد میں آپ کی تحریریں اور نظمیں شائع ہوتی رہیں۔ انگریزی زبان میں بھی آپ نے انسانی حقوق کے موضوع پر لکھا ہے۔ خاص طور پر جماعت احمدیہ کے خلاف ضیاالحق کے قانون پر لکھے گئے مقالہ کو جنوبی ایشیا میں بہت پذیرائی ملی تھی۔ آپ کے کلاس فیلوز اور رفقاء کاروں میں حنیف رامے سابق وزیر اعلیٰ پنجاب، احمد ندیم قاسمی، انتظار حسین، شہزاد احمد، وغیرہ شامل تھے۔ آپ نے ادب کی دنیا میں بہت محترم مقام پایا تھا۔ جماعت سے باہر بھی آپ کے وسیع رابطے تھے جن میں نامور کالم نگار، ادیب، شاعر، سیاست دان، انسانی حقوق سے وابستہ لوگ شامل تھے جو سبھی آپ کی عزت و احترام کرتے تھے۔

اب خاکسار مکرم راجہ غالب احمد صاحب کے حالات زندگی پر ایک نظر ڈالتا ہے۔ آپ 1928 کو ضلع گجرات میں پیدا ہوئے تھے۔ سنٹرل ماڈل سکول لاہور سے میٹرک کیا، قادیان سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ 1951 میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے نفسیات میں فرسٹ پوزیشن کے ساتھ یونیورسٹی میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ یونیورسٹی میں لکھے گئے ان کے تھیسز کا

عنوان ”مشرقِ وسطی میں ختنہ کا رواج“ تھا جو بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع ہوا تھا۔ اس مقالے کے حوالے سے محترم راجہ صاحب نے ایک واقعہ کا خاکسار سے مختلف مواقع پر کئی بار ذکر کیا تھا جس کا یہاں ذکر کرنا بر محل ہے۔ محترم راجہ صاحب کے مطابق ان کا تحریر کردہ مقالہ جب قاہرہ مصر کی یونیورسٹی میں بھیجا گیا تو وہاں سے انہوں نے صد فیصد نمبر لگائے، پنجاب یونیورسٹی انتظامیہ نے واپس بھیجا کہ دوبارہ چیک کریں شاید غلطی لگ گئی ہے۔ مصر سے پھر صد فیصد نمبر کے ساتھ مقالہ واپس آگیا۔ اس پر پنجاب یونیورسٹی نے دوبارہ قاہرہ یونیورسٹی کو بھیجا اور لکھا کہ اس مضمون میں صد فیصد نمبر نہیں مل سکتے براہ کرم ایک دو نمبر کم کریں۔ اس قاہرہ یونیورسٹی نے جواب دیتے ہوئے کہا ایسا ممکن نہیں ہے، نمبر کم نہیں ہوسکتے البتہ بڑھ سکتے ہیں اور مقالہ واپس پاکستان بھیج دیا۔ غالب امکان یہی ہے کہ یہ پنجاب یونیورسٹی کا ریکارڈ ہے جو ابھی تک ٹوٹا نہیں ہے۔ آپ نے دس سال تک پاکستان ائیر فورس میں بطور سائیکالوجسٹ خدمات سرانجام دیں پھر محکمہ تعلیم میں ملازمت شروع کر دی اور کلیدی عہدوں پر کام کی توفیق پائی ان میں لاہور سیکنڈری بورڈ کے سیکرٹری، سرگودھا سیکنڈری بورڈ کے چیئرمین اور پھر پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئرمین کی حیثیّت سے کام کیا۔ 1974 میں جب قومی اسمبلی کی طرف سے ناٹ مسلم قرار دینے کا سیاہ قانون پاس ہوا تو اس کے بعد آپ کو مخالفت کی وجہ سے او ایس ڈی (Officer on Special Duty) یعنی بیکار آفسر بنا دیا گیا اور 1974 سے 1988 تک اسی عہدہ پر رکھا گیا جو امتیازی سلوک کا ایک سیاہ ریکارڈ ہے۔

مکرم راجہ غالب احمد صاحب اپنی فہم و فراست اور تدبر کے باعث جماعت کے اندر اور باہر ایک نمایاں مقام رکھتے تھے ایک ایسا ہی واقعہ محترم اعجاز احمد صاحب (سابق قائد خدام الاحمدیہ ضلع لاہور) نے ان کے بارے میں بتایا تھا جس سے آپ کی شخصیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آپ بتاتے ہیں کہ دسمبر 1984 میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب پاکستان تشریف لائے تو آتے ہی بیمار ہوگئے تھے۔ جب چوہدری صاحب کی بیماری لمبی ہوئی اور صاحبِ فراش ہوئے تو اس پر امیر صاحب لاہور نے ایک میٹنگ بلائی جس میں زیادہ تر وکیل تھے اور مکرم راجہ غالب احمد صاحب بھی میٹنگ میں موجود تھے۔ اس میٹنگ میں مکرم راجہ غالب احمد صاحب نے محترم امیر صاحب کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ مسلم ممالک اور خاص طور پر فلسطین اور مقبوضہ کشمیر کے لئے حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی بہت خدمات ہیں جبکہ وہ عالمی عدالت کے جج اور یو این او کے صدر کے طور پر کام کر رہے تھے۔ اب اگر چوہدری صاحب گمنامی میں فوت ہوگئے تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی لہٰذا ہمیں پاکستان کے تمام اخبارات اور اسلامی سفارتخانوں کو ان کی علالت بارے اطلاع کر دینی چاہیئے۔ محترم راجہ صاحب کے اس مشورے کو سبھی نے بہت پسند کیا اور پھر امیر صاحب نے ان کی ہی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ خط تحریر کریں اور پھر اگلے دو دنوں میں خطوط مکرم امیر صاحب لاہور کی طرف سے اسلامی سفارتخانوں اور قومی اخبارات کو ارسال کر دیئے گئے تھے۔ چوہدری صاحب کی علالت کی خبر کی اشاعت کے ساتھ ہی چوہدری صاحب کی خیریت معلوم کرنے والوں کا تانتا بند گیا تھا۔ ان میں اسلامی ممالک کے سفراء، ملکی سیاست دان اور دیگر بے شمار اہم شخصیات شامل تھیں۔

اسلامی اصول کی فلاسفی کی صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں لاہور میں مکرم امیر صاحب نے ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دی تھی جس کے اجلاسات میں آپ نے صائب مشورے دیئے تھے، کمیٹی نے دیگر تحقیقی کام کرنے کے علاوہ لاہور میں دو سیمینار بھی منعقد کرائے تھے جس میں مرکزی اور مقامی صاحبان علم نے ”جلسہ اعظم مذاہب‘ کے بنیادی پانچ سوالات پر علمی و تحقیقی تقاریر کیں۔ مکرم راجہ غالب احمد صاحب نے پہلے سیمینار منعقدہ مارچ1996 بمقام مسلم ٹاؤن لاہور میں ”جلسہ مذاہب عالم1896 ایک تعارف“ کے عنوان سے ایک سیر حاصل مقالہ پڑھا تھا جس کا طویل عرصہ تک لاہور جماعت میں چرچا رہا۔

2008میں مکرم راجہ صاحب علیل ہو گئے تھے ان کا ایک اپریشن بھی ہو چکا تھا، خاکسار نے حضورؒ کی خدمت میں اطلاع و دعا کی غرض سے فیکس کر دی۔ کچھ ہفتوں بعد دارالذکر دفتر سے ایک خط وصول ہوا جو حضور کی طرف سے تھا۔ خط میں دعاؤں کے بعد آخر پر تحریر تھا کہ:

<u>”میری طرف سے ان کی عیادت کریں اور انہیں محبت بھرا اسلام پہنچائیں“۔</u>

خاکسار اسی وقت راجہ صاحب کے گھر پہنچا اور حسبِ ارشاد عیادت کرنے کے بعد خط بھی پڑھنے کو دیا، خط پڑھنے کے بعد آپ کے چہرہ پر اطمینان وسکون کی لہر اور ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

مکرم فخرالحق شمسؔ صاحب لاہور میں مربی سلسلہ تعینات رہے تھے جن کا محترم غالب احمد صاحب کے ساتھ علمی وذوقی تعلق رہا تھا۔ آپ نے خاکسار کو محترم راجہ غالب احمد صاحب کی ادبی اور صحافتی خدمات بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ ان کے مطابق1990 کی دہائی کے شروع میں ہم نے ”کاروان علم و آشتی“ کے نام سے ایک علمی تنظیم بنائی تھی، جس کے تحت ہم اخبارات میں لکھا کرتے تھے۔اس تنظیم کے خیال کو عملی جامہ پہنانے اور قواعد و ضوابط لکھنے میں محترم راجہ غالب صاحب کا بہت کردار تھا اور بہت محبت سے اس کام میں میری راہنمائی کی تھی۔ اسی طرح ”کاروان علم و آشتی“ کے زیر اہتمام "کڑک ہاؤس" میں مکرم چوہدری محمد علی صاحب کے ساتھ ایک شام منائی گئی تھی، اس کی کامیابی میں محترم راجہ صاحب کا بہت کردار تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے1990 میں ”حقوق انسانیت“ کے حوالے سے ایک سال منانے کی تحریک فرمائی تھی۔ تعمیل میں ہماری علمی ادبی تنظیم کے تحت ایک بڑا پروگرام ”ایوان محمود“ ربوہ میں منعقد ہوا جس میں ایک ہزار سے زائد مقامی احباب نے شرکت کی تھی۔لاہور سے محترم راجہ غالب احمد صاحب کی توسط سے منو بھائی کو ہم بذریعہ کار ربوہ لے کر آئے اور جناب منو بھائی نے پروگرام کے مہمانِ خصوصی کی حیثیّت سے شرکت کی۔ اس پروگرام میں مقالے پڑھنے والوں میں مکرم سیّد قمر سلیمان احمد صاحب اور مکرم عبدالسمیع خان صاحب بھی شامل تھے۔ منو بھائی نے آخر پر اپنے خطاب میں جماعت احمدیہ کی حقوق انسانی کے بارے میں خدمات پر خوشنودی کا اظہار کیا اور اس پروگرام کو بہت پسند کیا اور سراہا۔ اسی طرح فلیٹی ہوٹل لاہور میں ایک علمی پروگرام ہوا تھا جس کا عنوان ”آج کے دور میں لکھا پڑھا کون ہے؟“۔ اس پروگرام کے چیف گیسٹ حنیف رامے تھے، ان کے علاوہ منو بھائی، انتظار حسین، شہزاد احمد سمیت دیگر بڑی علمی و ادبی شخصیات شامل تھیں اور ہر ایک نے بڑھ چڑھ کر

اپنے انداز میں موضوع پر اظہار خیال کیا، پروگرام کے دوران محترم راجہ صاحب بھی ڈائس پر آتے رہے اور اپنے مخصوص انداز میں مقررین کی باتوں کا مدلّل اور مؤثر انداز میں جواب دیتے اور مزے کی بات یہ تھی کہ آپ نے کسی کو موضوع سے ہٹنے نہیں دیا اوراپنے میٹھے ، پُر حکمت انداز میں اس پروگرام کو نظم و ضبط کے ساتھ اور ماحول کو گل و گلزار بناتے ہوئے کامیاب کیا۔بلاشبہ راجہ غالب صاحب ایک محفل، سٹیج اور میٹھی پُر حکمت باتوں والے ماہر ابلاغیات تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک خوبی پیدا کرر کھی تھی کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے نہیں تھے“۔

2013 میں روزنامہ الفضل ربوہ کے قیام کو100 پورے ہوگئے تھے اس حوالے سے ایک ”صد سالہ سوونیئر“کی اشاعت ہو رہی تھی۔مکرم راجہ صاحب کا انٹرویوان کے گھر میں مکرم فخر الحق شمس ؔ صاحب نے لیا تھا،خاکسار بھی اس موقع پر موجود تھا اس انٹرویو میں آپ نے بتایا تھا کہ 1937 میں قرآن پاک ختم کرنے پر ان کی تقریب آمین کی رپورٹ روزنامہ الفضل میں شائع ہوئی تھی۔ نیز یہ کہ راولپنڈی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بچپن میں آپ کو قاعدہ یسرنا القرآن کا سبق پڑھایا تھا(روزنامہ الفضل ربوہ صد سالہ جوبلی سوونیئر2013 صفحہ285)۔

مکرم راجہ صاحب کو اپنے مجموعہ کلام کی اشاعت کی بھی فکر تھی جس پبلشر کے پاس اس کی طباعت ہو رہی تھی اس کے ساتھ گاہے بگاہے خاکسار کو بھجواتے رہتے اور بالآخر کلام ”رختِ ہنر“ کے نام سے شائع ہو گیا۔لاہور میں آپ کی شاعری کے مجموعہ کلام ”رختِ ہنر“کی اشاعت کے بعد اس کی تقریب رونمائی کا انعقاد ان کی دِلی خواہش بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے پوری ہوگئی تھی۔ اس کی تقریب رونمائی منعقد کرانے میں خاکسار کو دیگر مقامی احباب اور ساتھیوں کا تعاون حاصل رہا جس میں مکرم نصراللہ بلوچ صاحب، مکرم محمد محمود خان صاحب قابل ذکر ہیں۔یہ تقریب 30 اکتوبر 2008 کو ”پنجاب انسٹیٹیوٹ آف لینگوئجز، آرٹ اینڈ کلچر قذافی سٹیڈیم لاہور میں منعقد ہوئی جس کی صدارت ملک کی معروف ادبی شخصیت اور نامور نقاد محترم انتظار حسین صاحب نے کی تھی جبکہ دیگر مقررین میں اصغر ندیم سید، مسعود اشعر، قاضی جاوید،ڈاکٹر قاضی منور احمد صاحبان شامل تھے انہوں نے راجہ غالب احمد کی عمدہ شاعری پر اظہار خیال کیا۔احباب لاہور جماعت کی بڑی تعداد نے بھی تقریب میں شرکت کی تھی۔اس تقریب کے نظامت کے فرائض پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالدؔ صاحب نے سرانجام دیئے تھے۔

محترم راجہ غالب احمد صاحب نے اپنی اہلیہ کی وفات کا صدمہ بھی انتہائی صبر اور ہمت کے ساتھ برداشت کیا تھا،اہلیہ کی وفات پر آپ بالکل اکیلے رہ گئے تھے۔خاکسار جب بھی ان کے گھر جاتا توان کو گہری سوچ میں پاتا تھا۔ان کے گھر پالے طوطے کی آواز سے ہی کسی اور کے ہونے کا پتہ چلتا تھا۔زندگی کے آخری سالوں میں آپ کی یاداشت بہت متاثر ہو چکی تھی۔ آخری بار جب آپ کے گھر ملنے گیا توان کے لئے خاکسار کو پہچاننا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ان کی لے پالک صاحبزادی نے بتایا تھا کہ اب وہ کسی کو نہیں پہچانتے۔2013 میں جرمنی پہنچ کر بھی ایک دو بار فون کیا لیکن پہچان نہیں سکے تھے۔ ان کے بارے میں دوستوں سے خبریں لیتا رہتا تھا۔جرمنی میں ہی مجھے مکرم راجہ غالب احمد صاحب کی وفات کی اطلاع ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔کئی دنوں

تک آپ کی وفات کے غم کے زیر اثر رہا۔ ہجرت کی کڑی آزمائشوں میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ بہت پیاروں کے آخری دیدار سے محروم رہ جاتے ہیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں آپ کی وفات پر تعزیت اور اظہار افسوس کا خط لکھا جس کے جواب میں حضور نے تحریر فرمایا:

”اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے۔ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیشہ ان پر اپنے پیار کی نظریں ڈالتا رہے اللہ آپ کے ساتھ ہو"

دُنیائے فانی

(مکرم مصلح الدین راجیکی صاحب مرحوم)

نہ آنسو نہ آہیں نہ سوزِ نہانی
تری زندگی بھی ہے کیا زندگانی

بدل جائیں اب بھی جو اطوار تیرے
یہی لَن ترانی ہے سَوفَ ترانی

سلیقہ نہیں تجھ کو رونے کا ورنہ
بڑے کام کا ہے یہ آنکھوں کا پانی

بھروسہ نہ کر عالمِ رنگ و بُو پر کہ
ڈھلتی سی چھاؤں ہے دُنیائے فانی

یہ صبحِ بنارس یہ شامِ غریباں
یہ شامِ اودھ ہے فقط اک کہانی

کہاں ہے وہ متھرا کا مہرِ درخشاں
کہاں ہیں وہ مُرلی کی تانیں سہانی

کہاں ہیں وہ راجہ بھرائچ کے چرچے
کہاں ہے وہ جیتو کی اب راجدھانی

کہاں ہیں وہ اجداد و اسلاف تیرے
کہاں ہیں وہ عہدِ گذشتہ کے بانی

نہ کر ناز عمرِ دوروزہ پہ ناداں
بڑی بے بھروسہ ہے یہ زندگانی

اُٹھا دِل کو گلشنِ ماسوا سے
لگا اُس خدا سے جو لو ہے لگانی

کاروبار کے لئے بنک قرضہ اور میں

(شیخ لئیق احمد صاحب۔ کینیڈا)

انیس سوستاون سے جب ہم نے پہلی بار بنک اکاؤنٹ کھولا تھا اعصاب پر سوار یہ فقرہ ”بنک قرضہ کاروبار کے لئے صرف ان ہی کے لئے ہوتا ہے جو ممکنہ طور پر اس کے بغیر گزارا کر سکتے ہیں۔“ پاکستانی حکومت کی چھوٹے کاروبار کے لئے ضرورت مندوں کو قرضہ دیے جانے کے حالیہ اعلانات کے بعد پھر سے آنکھوں کے سامنے گھومنا شروع ہے۔

جون انیس سو چوہتر کا پہلا ہفتہ تھا۔ ریل بازار پولیس چوکی فیصل آباد کے سامنے میری آٹو پارٹس کی دکان دس گھنٹہ کی آگ کے بعد دھواں دیتا ملبہ بن چکی تھی۔ آزمائش شروع تھی اور ہر لحظہ بدلتی آنکھوں اور پھرتے چہروں کے تماشے نظر سے گزر رہے تھے۔ مسلم کمرشل بنک گیا تو مینیجر علیم صاحب نے دفتر بلا افسوس کرتے بتایا کہ انہوں نے بغیر میری درخواست کے میری اوورڈرافٹ (بنک قرضہ جو حسب ضرورت لیا اور واپس کیا جاتا ہے) کی حد کو بیس ہزار سے چالیس ہزار کرنے کی منظوری لینے کے لئے سمری زونل آفس بجھوادی ہے کہ بنک عملہ اسی طرح کچھ حوصلہ افزائی کر سکتا ہے۔

اور آج تیسرے روز دوبارہ بنک میں داخل ہوتے ہی جونیئر افسر انتہائی مغموم چہرہ لئے رازداری سے بتا رہا تھا کہ زونل مینیجر حاجی یونس شاد صاحب کی ہنگامی ہدایت آئی ہے کہ پارٹی غیر محفوظ ہو چکی لہذا قرضہ کا اجازت نامہ بکلی منسوخ۔ اکثر عملہ ہمدردی کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا مگر چند چمکتی نگاہوں میں طنز بھی تھا۔

چند گھنٹے بعد الائیڈ بنک گول کریانہ بازار جا بیلنس پوچھ رہا تھا کہ مینیجر انعام الہی (جو چند ماہ قبل ہی کچھ دوستوں کی سفارش لا اپنی برانچ میں میرا اکاؤنٹ دکان پہ آ، کھول، خود ہی تیس ہزار روپے تک کا اوورڈرافٹ منظور کروا چکے تھے اور اکثر گپ شپ کے لئے دکان پہ آتے اور مجھے اپنے دفتر میں چائے پلائے بغیر برانچ سے آنے نہ دیتے تھے۔) دفتر سے نکل میرے پاس آ روکھے لہجے میں کہہ رہے تھے کہ بنک عملہ آپ کو برداشت نہیں کرے گا۔ آپ کی اوورڈرافٹ قرضہ کی اجازت منسوخ اور ازرہ کرم اپنا اکاؤنٹ فوراً بند کر دیں۔

پچھلے ایک ہفتہ میں بائیکاٹ اور پکٹنگ اور پانی تک بند ہونے کے بعد یہ خبریں کوئی اچنبھا نہ تھیں اور ”حیلے سب جاتے رہے، اک حضرت تواب ہے“ کہ ورد کے ساتھ قادر مطلق کی مدد مانگتے اور رہنمائی چاہتے اور رستے کھولنے کی دعائیں کرتے ایک عزم نو کی بنیاد دل میں پڑ مقابلہ اور پہلے سے آگے نکل دکھانے کے خواب کو سچا دکھانے پہ تل چکے لئیق احمد کی آنکھوں میں وہ منظر گھوم گیا جب انیس سوستاون میں پہلی مرتبہ اسی مسلم کمرشل بنک کی پرانی بلڈنگ میں اکاؤنٹ کھلوا رہا تھا کہ افسر کے میز کے سامنے میرے ساتھ کرسیوں پر بیٹھے دو افراد میں سے ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا ”میں تمہیں پہلے ہی بتا رہا تھا کہ یہ بنک قرضے کہنے کو تو کمزور کھاتہ دار کے لئے بھی ہوتے ہیں مگر عملاً صرف انہی کو ملتے ہیں جن کا گزارا اس کے بغیر بھی چل جاتا ہے۔

جب تم محنت کر کامیاب ہو جاؤ گے تو یہی بنک خود تمہیں گھر آ قرضہ لینے کو کہیں گے“ ذہن کے پردے پہ چلی سترہ سال پرانی

فلم اور آج کے واقعات۔ پرانا سیکھا سبق دوہرایا جاچکا تھا۔ دنیا سے سبق سیکھ صرف اسی ذات جاودانی کی مدد پہ بھروسا کا عہد کرتے میں جلی دکان کے سامنے پھیلا ملبہ سمیٹنے میں مصروف ہو چکا تھا۔ اور شاید میری آہیں ٹھکانے پہنچ چکی تھیں۔

اب یہ انیس سوستاسی کا وہی جون کا مہینہ تھا۔ اور میں سرکلر روڈ کی کرایہ کی دوسو مربہ فٹ کی دکان کی بجائے اپنی مملوکہ دس مرلہ پہ بنی دکان رفیق اینڈ برادرز (بالمقابل جنرل بس سٹینڈ) پہ بیٹھا تھا اور اسی مسلم کمرشل بنک کی سرگودھا روڈ برانچ کے مینیجر اپنے ساتھیوں میں سے ایک کا تعارف بنک کے زونل مینیجر کی حیثیت سے کرا رہے تھے۔ اور تھوڑی دیر بعد چائے پیتے گپ مارتے دکان میں چاروں طرف نگاہیں پھراتے زونل مینیجر مجھے پوچھ

رہے تھے کہ آپ کاروبار مزید بڑھانے کے لئے اس اپنے بنک سے قرضہ کیوں نہیں لے لیتے۔

میں یک دم انیس سوستاون اور انیس سو چوہتر کے اسی بنک میں پہنچ چکا تھا۔ تحمل سے پوچھا جی کتنا قرضہ مجھے مل سکتا ہے۔ "جی دکان آپ کی مملوکہ ہے تو پانچ لاکھ کا قرضہ تو میں یہاں ابھی بیٹھے منظور کر دیتا ہوں، زیادہ بھی اوپر منظوری سے ہو سکتا ہے" اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ کراچی سے چاچا خورشید کا فون تھا اور وہ اپنی امپورٹ کردہ تازہ ریڈی ایٹر کی کنسائنمنٹ کی تفصیل بتا رہے تھے۔ اور چند منٹ کی سودابازی کے بعد پوری کنسائنمنٹ کا سودا ہو چکا تھا۔ مہمانوں سے معذرت چاہتے کچھ مزید گپ کے بعد دوبارہ اجازت چاہتے ایک دو فون لاہور اور کراچی گھمائے۔

اب میں بنک ٹیم کو انیس سوستاون میں مسلم کمرشل میں سنی گفتگو دہرا اور انیس سو چوہتر کی پیاری ہستی علیم صاحب کی شفقت اور حاجی یونس شاد کے سلوک اور رویہ اور اس وقت کی آپ بیتی سنا چکنے کے بعد عرض کر رہا تھا۔ "محترمین۔ اس دن کے بعد میں نے بنک قرضہ کا سوچا ہی نہیں ہاں محنت وعدہ کی پابندی اور صاف ستھری کاروباری ساکھ الحمدللہ مجھے بغیر سود بغیر ضمانت بغیر تحریری معاہدہ اور خداتعالی کا فضل میرے کاروبار کے مطابق لامحدود قرضہ منظور کرا چکا ہے۔

اور ابھی آپ حضرات کے تشریف رکھتے شاید خدائی تقدیر بطور ثبوت اس رقم سے کہیں زیادہ کا مال مجھے دلوا چکی۔ جتنی آپ نے بنک سود بلڈنگ یا سٹاک کی ضمانت اور تحریری معاہدہ کی شرائط پر دستخط کراتے منظور کرنا یا کرانا تھا۔ اب میری زبان اور میری کاروباری ساکھ میرا قرضہ اور ضمانت ہیں۔ آپ کا احسان اور شکریہ کہ اب بنک مجھے اس قابل سمجھنے لگا کہ جسے قرض دینا محفوظ ہے۔ تاہم درخواست یہ ہے کہ جن کو واقعی اس قرض کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے ان کے لئے کچھ راہ نکالیں کہ ان کو قرض مل سکے اور روزی کا انتظام ہو۔ ویسے مجھے یقین ہی نہیں علم بھی ہے کہ بڑے سیاسی اور کاروباری بااثر مگرمچھ مل ملا یا اثر ورسوخ سے اربوں کروڑوں بنک قرض لے ڈکار مار چکے ہیں انشاء اللہ غریب مقروض کا قرض واپس نہ کرنے کی شرح اس سے دو فیصد بھی نہ ہو گی"

پینتیس سال مزید گزر چکے اور حال ہی میں حکومت پاکستان نے بے کار نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرتے اپنے پاؤں پہ کھڑا کرنے میں مدد کرنے کے لئے بنک قرضوں کے سکیموں کا اعلان کیا ہے۔ مگر کیا اب واقعی بلا کسی ضمانت کی طاقت والے واقعی ضرورت مند کی حاجت پوری ہو رہی ہے یا اب بھی وہی فائدہ اٹھا رہا ہے جس کی روزی اس کے بغیر بھی کچھ نہ کچھ چل رہی ہے یا جو پیلی ٹیکسی، ٹرک بس سکیم کے قرضوں کی طرح خاصی تعداد بنک عملہ کی ملی بھگت اور مل ملا واپس نہ کرنے کے لئے ہی قرض لے لے گا۔ خدا کرے کہ کوئی یہ کہتا سنائی نہ دے کہ قرضہ اس کے لئے ہے جو اس کے بغیر بھی روٹی کمانے کی سکت رکھتا ہے۔

خود مٹے گا ٹوٹ کر ان کا حبابِ زندگی

عہد ہے محمود کا عہد شباب زندگی
کیوں نہ ہو پھر جوش میں موج شراب زندگی

ہے نگاہِ لطف ساقی رشتہ نبضِ جان کا
تابش برق تبسم میں ہے آب زندگی

موت کو اپنی متاعِ زندگی سمجھے ہیں وہ
جو سمجھتے عمر فانی ہیں سرابِ زندگی

کیا حقیقت زندگی کی خاک آئے گی نظر
جب تلک حائل رہے آگے حجاب زندگی

آہ آتش بار کی ظالم تجھے پروا نہیں
ظالموں پر کیا نہیں آتا عذابِ زندگی

دشمنانِ احمدیت کیا مٹائیں گے ہمیں
خود مٹے گا ٹوٹ کر ان کا حبابِ زندگی

سعی لاحاصل سے ان کے ہاتھ میں آیا نہ کچھ
نامرادی کیا یہ ان پر ہے عتاب زندگی

آرزوئیں ہو کے خوں ان کے دلوں میں گئیں
اک پریشاں خواب نکلا ان کا خواب زندگی

ہے مسیح وقت کے فیضان قدسی کا اثر
کھل گیا ہے ہم پہ جو راز کتاب زندگی

سیّد ابوالحسن قدسیؔ۔روزنامہ الفضل قادیان دارالاماں مورخہ 20 ستمبر 1935